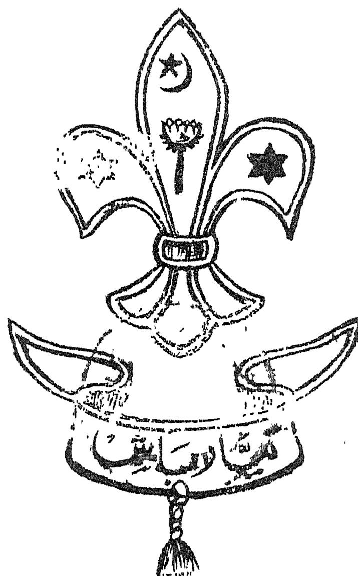
خَیرُ النَّاسِ مَن یَّنفَعُ النَّاس

سب سے اچھا شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے

رفیق



تذکارِ خود مختاری سلطنت آصفیہ

۲۹ رجب ۱۳۴۸ھ — 1930ء

(بادشاہی فرسٹ حیدرآباد ہیڈ کوارٹر روورس ٹروپ کا خصوصی مجلہ)

مطبوعہ مطبع عہد آفریں حیدرآباد

فہرست مضامین

محمد حمید اللہ (مدیر) ضیاءالدین احمد، غلام علی، محمد فاروق شریک مدیر اسمٰعیل خان منتظم

پیام

از جناب سید محمد ہادی صاحب بی اے ناظم بوائے اسکاؤٹ

کسی ملک میں جب کوئی ایک نئی تحریک کا آغاز ہوتا ہے تو بیشتر لوگ قبل ازیں کہ اس سے کامل واقفیت حاصل کریں اور یہ سوچیں کہ اس سے ملک اور قوم کو کسی قسم کا فائدہ پہنچیگا، اس کی مخالفت پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہر طرح کوشاں ہوتے ہیں کہ اس تحریک کو فروغ نہ ہو۔ لیکن بعض ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ اسی نئی تحریک کے اصول پر غور کرنے لگتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اسکی بدولت خود کو اور قوم و ملک کو کیا فوائد حاصل ہونگے۔ جب وہ تحریک کی اہمیت کو اچھی طرح جانچ لیتے ہیں تو اس وقت اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں عملی حصہ لیں۔ اس میں کامیاب ہونے کے بعد ان کو یہ فکر پیدا ہوتی ہے کہ جو فوائد انھوں نے اس تحریک کی بدولت حاصل کیے ہیں ان سے اپنے ہم قوم بھائیوں کو بھی آگاہ کردیں اور اس مفید تحریک میں شریک ہونے کی ترغیب دیں۔

جب ہمارے ملک میں اسکاؤٹنگ کی ابتدا ہوئی تو ان خیالات
کے لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ ممبران ہیڈ کوارٹرز روورس آخر ان کے خیال
کے لوگوں میں سے ہیں۔ ان ہمدردان قوم و ملک نے پہلے تو اسکاؤٹ
کے اصول سے اپنے آپ کو واقف کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہیڈ کوارٹر
ٹریننگ میں شرکت کی اور اپنے آپ کو قابل ثابت کر کے فرسٹ کلاس
بیاڈ ٹیچر قابل ہو گئے۔ اب انہیں یہ فکر پیدا ہوئی ہے کہ اس اہم اور قابل قدر
تحریک کے فوائد کو عوام کے سامنے پیش کریں اور ان اصحاب کو جو بلا
سوچے سمجھے ابتدا ہی سے اس تحریک کی مخالفت پر کمر باندھے بیٹھے
ہیں انھیں سمجھائیں کہ اسکاؤٹنگ ایک ایسی تحریک ہے جس کی بدولت
ہمارے ملک کے ہوشیار بچے اور نوجوان اپنے آپ کو کار آمد بنا سکتے ہیں
نیز دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے
"الکشافہ" پرچے کی ابتدا کی ہے جس کے ذریعے نہ صرف اسکاؤٹ
بھائیوں بلکہ عوام کے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش مقصود ہے
اس میں ایسے مضامین ہوا کریں گے جن کا تعلق نہ صرف اسکاؤٹنگ سے
ہوگا بلکہ ہمارے ملک کے تاریخی حالات اور دیگر علوم و فنون سے بھی۔
مجھے امید ہے کہ وہ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے
اور ہمارے ملک کی پبلک ان ہونہار اور عقیدت مند نوجوانوں
کی خاطر خواہ ہمت افزائی کرے گی فقط

سید محمد ہادی



عرض حال

—— مدیر ——

حیدرآباد میں کون ہے جس کے دل میں ۲۹ رجب کے خیال کے ساتھ سیکڑوں ولولے نہیں پیدا ہو جاتے؟ ہزاروں تمنائیں نہیں چٹکیاں لیتیں؟ اور بے شمار افسانہ ہائے ماضی کی یاد نہیں جگہ پاتی؟ — یہ وہ دن ہے جو فقط زندہ معزز قوموں کو نصیب ہوتا ہے اور خود وہ بھی اس پر فخر و ناز کرتی ہیں!

آج ...... حیدرآباد کا یوم خود مختاری ہے! اور اس سال (۲۰۷) ویں سالگرہ قیام سلطنت منائی جا رہی ہے! آج کی قومی عید میں بلا لحاظ مذہب و ملت بلا لحاظ راعی و رعایا اور بلا لحاظ طبقہ و درجہ ہر صنف اور ہر قسم کے شہریان مملکت آصفیہ (خدا اسے شر و خلل سے بچائے) شریک ہیں اور مسرت سے پھولے نہیں سماتے!

وفادار اسکاوٹ اسی اہم الاہم دن کی یادگار میں یہ مختصر مجموعہ مضامین

---

* اشارہ ہے اسکاوٹ کے حلفا در قاعدہ نمبر ۲ کی طرف۔ دیکھو صفحہ (۸۷)

پیش کرتے ہیں۔ خدا کرے اس دن کی اہمیت ملک میں روز افزوں ہوتی جائے۔

یہ امر قابل عرض ہے کہ ہیڈ کوارٹر روور ٹروپ (جس کا نام یا بر مشتا ہی جماعت ہے) ماہانہ کشافی مضامین کا ایک قلمی مجموعہ اپنی جماعت کے ممبروں کے لئے مرتب کرتی ہے اور کم و بیش ڈیڑھ سال سے اس راہ میں گامزن ہے اس ماہوار قلمی "رسالے" کا نام الکشاف رکھا گیا ہے اور ہمیں فخر ہے کہ عالیجناب سید محمد ہادی صاحب بی اے ناظم بارے اسکاوٹ اس کی سرپرستی، اور ہماری جماعت کے محترم ماسٹر عالیجناب علی موسیٰ رضا صاحب مددگار ناظم اس کی نگرانی فرماتے ہیں۔ ادارت کے لئے چاروں ذیلی جماعتوں سے ایک ایک نمائندہ مقرر ہوتا ہے جن میں سے ایک صدر مدیر کا کام انجام دیتا ہے۔ فی الوقت اس نام نہاد رسالے کی دو کاپیاں تیار ہوتی ہیں، ایک دفتر نظامت کے مرکزی کتب خانے کو دیجاتی ہے دوسری ہماری جماعت کے ممبروں میں گشت ہوتی ہے۔ اگر ہماری حوصلہ افزائی ہوئی تو ان شاء اللہ ہم مستقل طور سے اپنی ماہوار اشاعت طبع کرایا کریں گے جو کو فقط علوم کشافی سے مخصوص ہوگی لیکن چونکہ کشاف (اسکاوٹ) "ہر فن مولا" ہوتا ہے اس لئے سوائے ادبیات وغیرہ کے ہر قسم کے عملی علوم و فنون کی اس میں گنجایش رہے گی اور عوام کے لئے بھی کافی دلچسپ مطالعہ ثابت ہو سکیگی۔

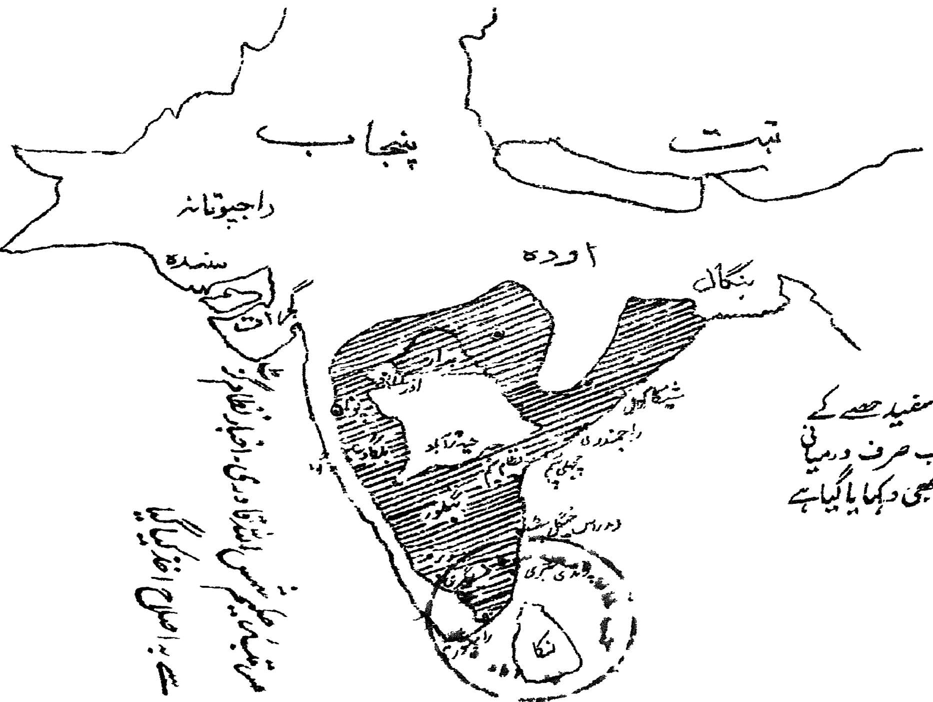
آخر میں دعا ہے کہ خدا ہماری ہمتوں میں برکت دے مشکلات کو دور کرے ہم سب کو راہ ہدایت پر چلنے اور ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا

فرمائے اور ہمارے بادشاہ ذی جاہ کی عمر و اقبال میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین!

ہم اس خاص اشاعت کے مضمون نگاروں کی تکلیف فرمائی پر بطور خاص ممنون اور شکر گزار ہیں اور بغیر کسی تعارف و تقریظ کے یہ حقیر مجموعۂ مضامین ملک کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف!





قدیم و جدید
ریاست حیدرآباد
ناپ ۱" - ۲۰۰ میل
تبت
پنجاب
راجپوتانہ
سندھ
گجرات
اودھ
بنگال
چین
برار
حیدرآباد
لنکا
سنہ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں سیاہ مع درمیانی سفید حصے کے
مملکت آصفیہ میں داخل تھا۔ اب صرف درمیانی
سفید باقی ہے ملک برار کا رقبہ بھی دکھایا گیا ہے
مرتبہ حکیم شمس اللہ قادری۔ اخبار نظام گزٹ
سے بہ اصلاح اخذ کیا گیا

حکومت آصفی کا قیام

{ عزالدین محمد صاحب (عثمانیہ) }

ہندوستان کے جغرافی محلِ وقوع کے لحاظ سے یہاں کا امن و امان اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ یہاں پر ایک مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو۔ مرکزی حکومت کی کمزوری سے طوایف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوجاتا ہے اور اس کا سلسلہ ایک نئی مرکزی حکومت کے قیام تک بدستور باقی رہتا ہے۔ اس طوایف الملوکی سے وہ مقامات فوراً متاثر ہوتے ہیں جو کہ مرکزِ حکومت سے دور ہوں۔

خلد آشیاں اورنگ زیب کے جانشینوں کی کمزوری دربار کی فرقہ بندی، اور جذبات قومیت کے فقدان سے حکومت مغلیہ اورنگ زیب کے آنکھ بند کرنے کے بعد اس قابل نہیں رہی کہ وہ خود کو غلبہ و اقتدار کا پیشوا بنا رکھتی۔ شاہی اقتدار اس حالت کو پہونچ چکا تھا کہ دہلی میں دن دہاڑے

ڈاکے پڑتے تھے اور عمال حکومت امن قائم کرنے سے عاجز تھے۔ حکومت بابری کی کمزوری سے بنگال، اودھ، پونا، گجرات، پنجاب اور دکن یکے بعد دیگرے خود کو خود مختار سمجھنے لگے۔

مغفرت مآب حضرت آصف جاہ دربار عالمگیر کے ایک ممتاز رکن تھے۔ چھے سال کی عمر سے ہی آپ کا تعلق دربار سے ہو گیا تھا۔ آپ کا شمار ان چند مخصوص درباریوں کی صف میں ہے جن پر اورنگ زیب کو اپنی آخری زندگی تک اطمینان و بھروسہ رہا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد دربار کی حالت سے حضرت آصف جاہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ حکومت مغلیہ اب چراغ سحری ہو چکی ہے۔ جنگِ جانشینی اور اس کے بعد کی شاہ گردی کے زمانے میں آپ نے خود کو سیاسیات سے علاحدہ رکھ کر گوشہ نشینی رہنے کو زیادہ پسند فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود متعدد مرتبہ آپ کو دربار سے تعلق رکھنے پر مجبور ہونا پڑا سادات بارہہ اس شاہ گردی کے زمانے میں غلبہ و اقتدار کے دو تابنے ہوئے تھے ان کے نزدیک حضرت آصف جاہ کانٹے کے مانند کھٹک رہے تھے۔ امیر الامرا حسین علی خاں نے آپ کو تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس جبر و استبداد کی فضا میں حفاظت خود اختیاری کے تحت آپ دکن کو اپنا پناہ گاہ بنانے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت آصف جاہ کا تعلق دکن سے جہاندار شاہ کے زمانے سے

۱؎ اس کا ثبوت دہلی کے اخبارات معلی وغیرہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے ۱۲؎

شروع ہوتا ہے جب کہ آپ صوبہ دار برہان پور و دکن تھے۔ ۱۱۳۱ھ میں امیر الامرا حسین علی خاں کے ذاتی مفاد کی خاطر آپ صوبہ داری مالوہ پر منتقل کر دیے گئے اور پھر چند سال بعد مالوے سے بھی علاحدہ کرنے کے منصوبے سوچے جانے لگے۔ سادات بارہہ کے طرزِ عمل سے جو انقلاب برپا تھے اس نے آپ کو مرکزِ حکومت سے دور دراز مقام پر منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔ ۱۱۳۲ھ میں آپ دکن کو اپنا مستقل مرکز قرار دے کر برہانپور کی جانب متوجہ ہوئے۔ برہان پور کے باشندے چونکہ آپ سے پہلے ہی سے واقف تھے آپ کے وہاں پہنچتے ہی وہ مطیع ہو گئے۔ برہان پور کے داخلے کے بعد عالم علی خاں نائب امیر الامرا اور سید دلاور خاں تیس اور سترہ ہزار کی فوج کے ساتھ آپ سے مقابلے پر آمادہ ہوئے۔ ایک قابل سپہ سالار ہونے کی حیثیت میں آپ نے دونوں فوجوں کے متحد ہونے کے قبل ہی نربدا اور پورنا کے قریب ان کو شکست دی۔ دلاور خاں اور عالم علی خاں دونوں میدان جنگ میں کام آئے۔ اس شکست پر امیر الامرا حسین علی خان شہنشاہ کی معیت میں آپ سے مقابلہ کرنے تیار ہوا۔ لیکن میر حیدر کاشغری کے ہاتھوں اس کے قتل ہو جانے سے دربار کی فضا بدل گئی۔ حضرت آصف جاہ دربار شہنشاہی میں طلب اور منصب وزارت سے سرفراز ہوئے۔ آصف جاہ کی خواہش تھی کہ اورنگ زیب کا زمانہ دوبارہ عود کر آئے لیکن ربع صدی سے درباری جو فضا رہی تھی اس کے زیر اثر ہوا خواہانِ دربار کے نزدیک آصف جاہ کا مسلک گویا ان کی تباہی کا پیش خیمہ تھا۔ ان لوگوں نے شاہ کو وزیر سے

برگشتہ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ دوبارہ حفاظت خود اختیاری کے تحت ۱۱۴۳ھ میں شکار کے بہانے سے آپ دکن کو روانہ ہوگئے۔ اورنگ آباد میں مبارز خاں (جو آپ کی سفارش سے ہی منصب پنجہزاری سے سرفراز ہوا تھا اور جس نے آپ کی روانگی دہلی کے وقت حلف اطاعت اٹھایا تھا) مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگیا۔ تیر آصفی کے سامنے اس کو ٹھہرنے کی جراءت نہیں ہوئی۔ میدان جنگ میں ہی وہ کام آیا۔ اب دکن پر دوبارہ آپ کا مستقل قبضہ ہوگیا۔

۱۱۴۹ھ میں نادر گردی سے دہلی کو بچانے کے لئے آپ دربار شہنشاہی میں طلب کئے گئے۔ آپ کے غیاب میں بعض قدیم درباریوں کی ریشہ دوانیوں نے آپ کے فرزند نواب ناصر جنگ کو جادۂ اطاعت سے منحرف کردیا۔ حضرت آصف جاہ پھر دکن کو واپس ہوئے۔ برہان پور تک پہنچتے ہی باغی امراء کو بغاوت کی جرأت نہ رہی۔ ۱۱۵۵ھ میں نواب ناصر جنگ دوبارہ جادۂ اطاعت سے منحرف ہوگئے۔ خلد آباد کے پاس باپ اور بیٹے میں جنگ ہوئی ناصر جنگ مفتوح ہوگئے۔ ۱۱۵۶ھ میں کرناٹک حدود دکن میں شامل کیا گیا۔ انور الدین خاں صوبہ دار مقرر کئے گئے۔ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ ابدالی کی مدافعت کے لئے پھر آپ کی طلبی ہوئی۔ برہان پور پہنچنے پر ناندیڑ میں بغاوت کی اطلاع ملنے پر (۹۰) سال کی عمر میں ناندیڑ کی جانب متوجہ ہوئے لیکن دوران سفر میں ہی ۴ جمادی الآخر ۱۱۶۱ھ کو آپ کا وصال ہوگیا۔ نواب ناصر جنگ آپ کی وصیت کے بموجب

جانشین مقرر ہوئے۔

دکن پر حضرت آصف جاہ کے قبضے کا جو ذکر درج ہوا ہے اس سے اس امر کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ آصفی سرفروشانہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اگر آصف جاہ دکن کی جانب متوجہ نہ ہوتے تو حیدر آباد مختلف ریاستوں کا مجموعہ ہوتا اور ان کی غالب تعداد یقیناً آج برطانوی ہند کے اندر جذب ہو چکی ہوتی۔ تسخیر دکن کے بعد حضرت آصف جاہ کو اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ مشرق کے اصول حکمرانی کے لحاظ سے یہاں کی رعایا کی خوشحالی بہترین بادشاہ کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔ حضرت آصف جاہ ان گراں پایہ افراد سے ہیں جو میدان جنگ میں بہادر سپہ سالار، امور نظم ونسق میں بہترین مدبر اور حلقۂ طریقت میں عالم باعمل اور درویش باصفا تھے۔ آپ کی ذات میں وہ تمام صفات موجود تھے جو ایک بہترین حکمران کے لئے ضروری ہیں۔

آپ کے بہترین سپہ سالار ہونے کے ثبوت میں یہ کہنا کافی ہے کہ آپ کی فوج کبھی مغلوب نہیں ہوئی۔ دلاور خاں اور عالم علیخاں کو متحد ہونے کے قبل جسطرح مغلوب کیا گیا وہ آپ کے بہترین سپہ سالار ہونے کا خود ایک بیّن ثبوت ہے۔ مفتوحین، دلاور خاں اور مبارز خاں کی اولاد کے ساتھ جو شریفانہ برتاؤ کیا گیا علاوہ ازیں نواب ناصر جنگ کو جن امرا نے جادۂ اطاعت سے منحرف کیا تھا ان کو جو کامل آزادی دی گئی اس کی نظیر مہذب زمانے کی تاریخ میں خود بتلانی مشکل ہے۔

آصف جاہ کی زندگی کا بڑا حصہ فوجی مہمات میں بسر ہوا ہے۔ آپ کے

اس طویل سپہ سالاری کے زمانے میں فوج کے جانب سے کسی بغاوت کا عمل میں آنا خود آپ کی ہر دلعزیزی کو واضح کرتا ہے۔

آپ کے بہترین مدبر ہونے کے ثبوت میں ان اصول حکومت کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی پیروی آپ کے نزدیک لازمی تھی اور جن کا ذکر تاریخ رشید الدین خاں میں تفصیل سے موجود ہے:-

(۱) بادشاہ کو بذاتہ قتل کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۲) وزراء کا تقرر محض رعایا کی آسانی کے لئے ہے۔

(۳) تعزیرات (سزائے فقہ (قانون) کے تحت آزادی کے ساتھ دیجانی چاہیے۔

(۴) ناجائز محاصل سے رعایا گراں بار نہ ہو۔

(۵) انسداد رشوت قیام امن کے لئے لازمی ہے۔

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے اجلاس لکھنؤ کے موقع پر جو تاریخی کاغذات عہد آصفی کے پیش ہوئے تھے ان سے مذکورۂ بالا اصولوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

علمی قدردانی کے متعلق اسقدر کہنا کافی ہے کہ آپ نے ایک اہل کمال بابا خاں بخاری کو جو حضرت عبید اللہ احراری کے اولاد سے تھے اور جن کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں تھا اپنی دامادی کا شرف بخشا۔

خداترسی بندگان خدا کی خونریزی سے مزاحم ہوتی ہے۔ لڑائی سے پہلے آپ صلح کی خواہش فرماتے تھے دشمنوں کی شکست کے بعد تعاقب نہیں کیا جاتا تھا۔ مقتولین کے دفن کا انتظام کیا جاتا تھا۔ مرہٹوں سے جو

صلح کی گئی اوس سے خون ریزی سے رعایا کی حفاظت اور بہتری مقصود تھی۔ نواب ناصر جنگ کے جادۂ اطاعت سے منحرف ہونے کے بعد لڑائی کے دوران میں زندہ سلامت رہنے پر امرائے دربار سے نذریں لی گئیں۔ مذکورۂ بالا صفات سے خود بخود اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ رعایا کی فلاح و بہبودی کس درجہ آپ کے مرکزِ خاطر تھی۔

جہاں دار شاہ کے زمانے میں جب کہ آپ صوبہ دارِ برہانپور تھے اس وقت وہاں کی رعایا کو آپ کے اصول جہاں بانی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ جس وقت پہلی مرتبہ سادات کے خلاف دکن کی جانب متوجہ ہوئے اس وقت برہان پور کی رعایا نے بغیر کسی مقابلے کے آپ کی اطاعت قبول کر لی۔

اصولِ معدلت کے لحاظ سے دکن میں مختلف سررشتے قائم کئے گئے جہاں پر انند اخاں اور دیانت خاں جیسے روشن دماغ اور قابل لوگ مامور ہوئے۔ عمال ایک مقام پر دو سال سے زیادہ متعین نہیں رہتے تھے اور ان کی نگرانی کے لئے خاص ارکان مقرر تھے۔ مبارز خاں کے زمانے میں چوتھ وغیرہ کے نام سے متعدد ناجائز محاصل رعایا پر عاید کئے گئے تھے۔ آصف جاہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان سب کو موقوف ہی نہیں کر دیا بلکہ جمع شدہ ایک کثیر رقم خزانے سے واپس کر دی گئی۔ خزانۂ شاہی کے متعلق آپ کا خیال تھا کہ وہ شاہی عیش و عشرت کے سامان فراہم کرنے کے لئے نہیں ہے۔ حضرت آصف جاہ نہایت ہی سادہ زندگی کے عادی تھے۔

ایک مرتبہ ناظر دیوڑھی نے معمول سے زیادہ چراغ روشن کئے تھے۔ اس پر آپ نے نکتہ چینی کی اور فرمایا کہ سرکاری دولت رعایا کی بہتری کے لئے ہے نہ کہ اپنے غیر ضروری مصارف کے لئے۔

تجارت کی گرم بازاری کے لئے امن وامان قائم کیا۔ راہ داری کے نام سے جو محصول لیا جاتا تھا وہ موقوف کر دیا گیا۔ نرخ اجناس مقرر ہوتا تھا جس کی پابندی تاجروں کو کرنی ضروری تھی۔ مختلف اضلاع سے نرخ اجناس کی رپورٹ روزانہ وصول ہوتی تھی۔

پکے مسلمان اور جزئے لے حاجی ہونے کے باوجود حضرت آصفجاہ کے اصول معدلت کے لحاظ سے مختلف الملت رعایا کے حقوق ساوی تھے۔ ولاور خاں کی شکست کے بعد ہندو مقتولین کے کریا کرم کا کام راجہ اندر سنگھ کے سپرد ہوا۔ استحصال بالجبر آپ کے نزدیک ناجائز تھا۔ سیف الدین نامی ایک امیر آپ کے ابتدائی دورِ حکومت کے زمانے میں برہان پور سے گزر رہے تھے۔ ان کے ساتھ بہت سا زر وجواہر موجود تھا۔ آصف جاہ اس زمانے میں سخت رقمی مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی انصاف پسندی وارن ہسٹنگس کی طرح سیف الدین خاں کے مال پر دست حرص و آز دراز کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی بلکہ اون کو اطمینان کے ساتھ وہاں سے گذر جانے کی اجازت دی گئی۔ رعایا کی بہبودی کا اسدرجہ خیال تھا کہ مرتے وقت بھی اپنے جانشین کو ماتحت مرہٹوں کے ساتھ نرمی و مصالحت برتنے کی وصیت فرمائی۔

دو صدی پیشتر جب کہ ہندوستان کی سرزمین موسیقی کے بجائے انسانی خون ریزی کا مسلخ بنی ہوئی تھی اور خود یورپ اصول عمومیت سے ناواقف تھا، ایسے زمانے میں ریاست حیدرآباد کے طریق نظم ونسق کی بنیاد اس قدر ارفع واعلا معیار پر قائم کرنے اور پھر اپنے وصال کے وقت اپنے جانشینوں کو اس دستور کو اپنا مسلک بنائے رکھنے کے لئے وصیت کرنے سے آپ کی خداداد سیاست دانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کوششوں کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف حکومت مغلیہ بلکہ آپ کی ہمعصر ریاستوں (بنگال اودھ کرناٹک اور پونا) کا نام ونشان تک باقی نہ رہنے کے باوجود بفضلہ تعالیٰ ریاست حیدرآباد (صانہا اللہ عن الشرور والفتن) اب تک باقی ہے۔ رعایائے آصفی انگریزی مورخوں کے بیان کے مطابق اودھ اور دیگر ہندوستانی ریاستوں کے مانند حکومت برطانیہ سے اس امر کی ملتجی ہیں کہ وہ یہاں کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لے بلکہ ان شاء اللہ المستعان ہماری آئندہ نسلیں ہم سے زیادہ تاج آصفی کی وفادار رعایا ثابت ہونگی۔

مرکزی حکومت کی کمزوری سے جو طوایف الملوکی پھیلی اس نے یورپین تجارتی جماعتوں کو بھی بہ قول آزاد بلگرامی میدان سیاست میں داخل ہونے کا موقع دے دیا۔ دیسی ریاستوں کے حلیف بن کر فرانسیسی اور انگریزی جماعت خود غلبہ و اقتدار حاصل کرنے کی کوشاں ہوئی۔ اس زمانے میں کاش نواب ناصر جنگ میں وہ روح زمانہ شناس موجود رہتی جو آپ کے بادگار زمانہ باپ میں تھی اور آصف جاہ کا جانشین صحیح معنوں میں

حقیقی آصف جاہ ہوتا تو تاریخ ہند کم از کم تاریخ دکن وہ نہیں ہوتی جو کہ اس وقت نظر آرہی ہے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں جو معاہدہ آصف جاہ ثانی اور ولزلی کے درمیان ہوا وہ کسی اور رنگ میں ہوتا۔

آصف جاہِ اوّل کی وفات دکن میں خانہ جنگی

اور

آصف جاہ ثانی کے دورِ حکومت کی اہمیت

(مولوی محمود علی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) معلّم تاریخ کلیۂ بلدہ)

تاریخ ہند میں یوں تو شہنشاہ اورنگ زیب کے بعد اور خاص کر محمد شاہ کی وفات پر ہندوستان کا جو نقشہ بگڑا ہے وہ کبھی بن نہ سکا۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے کہ زمانہ حرکت دولابی کرتا ہے اور عروج کے بعد زوال کا آنا ضروری ہے تو مغل شہنشاہانِ اعظم کی باعظمت و با اقبال حکومت کے بعد وسطِ اٹھارویں صدی میں ملک ادبار اور انحطاط کے جس دور سے گزرا ہے وہ ناقابل بیان ہے، تعلیمی اور اخلاقی سیاسی اور معاشی غرض ہر نقطۂ نظر سے ہندوستان کی حالت جسقدر اوس وقت گری

ہوئی تھی شاید ایسی کبھی نہ رہی ہو۔

دہلی کی لامرکزیت کے معنے زوال بادشاہت ہی کے ہیں بلکہ بدامنی اور غارت گری، افراتفری اور طوائف الملوکی کے تھے کہ جس شخص کا جہاں زور چلا اُس نے علاحدہ ہو کر خود مختارانہ روش اختیار کرلی، اور اگر اس سے زیادہ طاقت جمع کرلی تو علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس طرح کئی ریاستیں ملک میں قائم ہو گئیں۔ اور بیسیوں سردار بادشاہ بن بیٹھے۔

ایسے نازک وقت میں سلطنت دہلی کو بچانے کے لئے نواب نظام الملک آصف جاہ اول کا کھڑے ہونا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن ملک کی حالت کو کیا کیجئے کہ اوپر سے لے کر نیچے تک سوسائٹی کا مذاق ہی بگڑا ہوا تھا۔ عوام میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہ تھے، طبقۂ متوسط کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ امرا یا تو عیش کے بندے بنے ہوئے تھے یا خود غرضیوں میں مبتلا تھے، لہٰذا باوجود کوششوں کے جب آصف جاہِ اول کو اس معاملے میں مایوسی ہوئی تو وہ چلے آئے اور یہاں سلطنتِ آصفیہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔

ابھی اس نوخیز سلطنتِ آصفیہ کی بنیادیں مستحکم نہ ہونے پائی تھیں کہ ۱۱۶۱ھ میں بانئ سلطنت نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ تاریخ ہند میں یہ سال عجیب منحوس سال ہے کہ اُدھر محمد شاہ کی آنکھ بند ہونے پر ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا تو ادھر آصف جاہِ اول

کی وفات پر دکن میں خانہ جنگی کی آفت نازل ہوئی۔
کہا جاتا ہے کہ آصف جاہ اول کے دوسرے فرزند ناصر جنگ نے جن کو فوج کی امداد حاصل تھی فوراً خزانے پر قبضہ کرکے اپنی صوبہ داری کا اعلان کر دیا، اور یہ بات یاد کرائی کہ ان کے بڑے بھائی غازی الدین نے جو کہ اس وقت دہلی میں وزیر تھے، اپنے حقوق سے دست برداری کر لی ہے۔ مراسم تخت نشینی ختم نہیں ہونے پائے تھے کہ احمد شاہ ابدالی کے حملے کی وجہ سے نواب ناصر جنگ دربار دہلی کی تائید میں فوجیں لیکر بڑھے ابھی دریائے نربدا کو عبور نہیں کیا تھا کہ دکن سے یہ خبر پہنچی کہ مظفر جنگ نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔
مظفر جنگ، نظام الملک کے چہیتے نواسے تھے، ان کا اصلی نام ہدایت محی الدین خاں تھا۔ انھوں نے یہ بات مشہور کر دی تھی کہ نانا نے مرتے وقت اُن کی جانشینی کی وصیت کی ہے اور خود شہنشاہ نے اُن کو صوبہ دار مقرر کرکے مظفر جنگ کا خطاب عطا کیا ہے۔
یہ حال سنکر کرناٹک کی صوبہ داری کا دعویدار حسین دوست خاں عرف چندا صاحب مظفر جنگ سے آملا۔ یہ شخص دوست علی سابق نواب کرناٹک کے خاندان سے تھا جس کو انتظاماً بے دخل کرکے نظام الملک نے اپنی جانب سے انورالدین کو وہاں کا ناظم مقرر کیا تھا۔ جب پانڈیچری کے فرانسیسی گورنر دوپلے کو یہ سارا حال معلوم ہوا تو وہ بھی مظفر جنگ اور چندا صاحب کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس وقت انگریزوں نے بھی

اپنے مفاد اور ماحول کے مد نظر انور الدین اور ناصر جنگ کا ساتھ دینا مناسب سمجھا، اس طرح ایک طرف دکن اور دوسری جانب کرناٹک، بقول سر الفرڈ لائل "غرض ان دو نوں تخت نشینی کی لڑائیوں کے الجھاؤں نے تمام جنوبی ہند میں ایک ہلچل مچادی اور وہ پیچیدہ سلسلہ جعلسازیوں سازشوں خفیہ خون ریزیوں، لڑائیوں، محاصروں اور بے قاعدہ مٹ بھیڑوں کا شروع ہو گیا جس کو اینگلو انڈین تاریخ میں جنگ کرناٹک سے موسوم کیا گیا ہے۔"

جنگ کرناٹک کا نتیجہ دکن کی حد تک یہ نکلا کہ مظفر جنگ گرفتار ہو گئے لیکن ناصر جنگ کو خود انہیں کی فوج کے ایک افغان نے جو سازشی تھا شہید کر ڈالا۔

اس طرح وارث تخت و تاجِ آصفیہ ڈھائی سال بھی حکومت نہ کر سکا تھا کہ خانہ جنگی اور سازش کا شکار ہوا۔ بعد ازاں فرانسیسیوں کی مدد سے مظفر جنگ قید سے رہا ہو کر بادشاہ بنائے گئے۔ انھوں نے تو دو ماہ بھی حکومت نہیں کی تھی کہ قضا و قدر نے ناصر جنگ کا انتقام لیا۔" اور وہ اسی شخص ہمت خاں کے ہاتھوں قتل ہوئے جس نے ناصر جنگ کو شہید کیا تھا۔

اعیان دولت اور مشیران سلطنت نے اس کے بعد نظام الملک کے تیسرے فرزند صلابت جنگ کو اس لیے تخت نشین کرایا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت عمر میں بڑے تھے۔

صلابت جنگ کی تخت نشینی سے بظاہر تو اس خانہ جنگی کا سد باب ہو گیا جو نظام الملک کی وفات پر شروع ہوئی تھی، لیکن اب دکن دوسری مصیبتوں کا گھر بن گیا تھا۔ خصوصاً فرانسیسی اور انگریزی کمپنیوں کی رقابت کا خاتمہ نہ ہو سکا، جو ابتدا میں تجارتی منفعت اور بعد ازاں ناصر جنگ اور مظفر جنگ کے رفقا کی حیثیت سے ان میں شروع ہوی تھی، بلکہ فرانسیسیوں کا رسوخ تو دن بدن بڑھتا گیا۔

اُن کا یہ عروج انگریزوں سے دیکھا نہ گیا، اس کو توڑنے کیلئے انگریزوں نے لگاتار کوشش کی۔ آخر کار صلابت جنگ کے عہد ہی میں پہلی مرتبہ ۱۷۵۹ء میں حیدرآباد اور انگریزی کمپنی کے درمیان عہدوپیمان کے ذریعے تعلقات قائم ہو گئے اور حیدرآباد کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا کہ فرانسیسیوں کو خارج البلد کر کے مچھلی پٹم اور دیگر اضلاع بطور انعام انگریزوں کو عطا کئے جائیں گے۔

خانہ جنگی اور صلابت جنگ کے کمزور عہد حکومت کا اتنا ہی اثر نہیں ہوا کہ فرانسیسوں اور انگریزوں ہر دو کے قدم دکن میں جم گئے بلکہ اسکے بعد کاروبار سلطنت کا چلنا مشکل ہو گیا۔ صورت حال یہ تھی کہ رعایائے ملک کی ذہنی اور اخلاقی ترقی تو کجا، ان کے لئے اطمینان کی زندگی اور مادی خوشحالی کے ذرائع مفقود تھے۔ خزانہ خالی، تجارت بند، اور زراعت برباد تھی۔ جب اندرون ملک عدل وانصاف اور امن وامان نہ ہو تو رعایا کیسے ملک میں آرام سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔ نتیجہ یہ تھا کہ لوگ ملک چھوڑ چھوڑ کر بھاگ

رہے تھے۔

اندرون ملک انتشار کی یہ حالت تھی تو بیرون ملک دیگر ہمسایہ ریاستوں سے امید افزا تعلقات کیسے قائم رہ سکتے ہیں؟ حقیقت میں نواب نظام علیخاں آصف جاہ ثانی کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے ۱۷۶۱ء میں تخت نشیں ہو کر اول تو سلطنت کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا۔ اس کے بعد ملک کی ابتری کو دور کر کے امن و امان قائم کیا، از سر نو عدل و انصاف جاری کیا۔ تجارت اور زراعت کے راستے کھول دیئے۔ غرض اندرون ملک ہر قسم کی اصلاح اور ترقی کے امکان پیدا کر کے ریاست کو تمدن کی شاہراہ پر ڈالا۔

آصف جاہ ثانی کا دوسرا بڑا کارنامہ جس سے اندرونی امن قائم ہوا اور بیرون حملوں کا سدباب ہوا وہ اُن کی دور اندیشی اور خارجی حکمت عملی تھی۔ انھوں نے محض سلطنت کے مفاد کی خاطر اپنا ایک نصب العین قرار دے رکھا تھا کہ ہمسایہ ریاستوں یعنے میسور، مرہٹوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں میں توازن قوت قائم رکھ کے سلطنت آصفیہ کو دشمنوں کی دستبرد سے بچائیں۔ اسی لئے انھوں نے نہایت درجہ نازک اور پرآشوب زمانے میں، جنگ اور امن غرض ہر موقع پر اپنی ہمسایہ ریاستوں کے معاملات میں حصہ لے کر کبھی ایک فریق کا ساتھ دیا اور کبھی دوسرے کا اور آخر پر انگریزوں سے مستقل تعلقات قائم کر کے سلطنت آصفیہ کے لئے فرانسیسوں، میسور اور مرہٹوں سے جو زبردست خطرات تھے اُن کو رفع کیا۔

اور خود سلطنت کا وجود مستقل اور مستحکم کر دیا۔

بقول فاضل پروفیسر سیاسیات مولوی ہارون خاں شروانی صاحب "حقیقت میں یہ خدا کی مہربانی، حیدر آباد کی قسمت اور نواب میر نظام علیخاں بہادر کے تدبر کا نتیجہ تھا کہ نہ مرہٹے رہے نہ ٹیپو رہا اور نہ فرانسیسی لیکن فضل الٰہی سے اُس زمانہ کے حکمرانِ دکن کی نسل کا ایک فرد آج بھی تخت حیدر آباد پر جلوہ افروز ہے۔"

دایم رہے وہ سایہ فگن اہل ملک پر
ہے جسکی ذات پاک سے قائم وقارِ علم
عثمان علی نظامِ دکن شاہ ذی وقار
ماوائے ہند فخرِ جہاں شہریارِ علم

نواب میر اکبر علیخاں سکندر جاہ بہادر غفران منزل

(ضیاء الدین احمد عثمانی شریک مدیر)

نواب میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ ثانی کے سب سے بڑے فرزند نواب میر اکبر علی خاں سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث کی ولادت باسعادت بکم رجب ۱۱۸۲ھ کو عمل میں آئی۔ زمانہ شہزادگی و ولی عہدی میں بھی بعض مواقع ایسے پیش آئے جن میں آپ نے بالذات

فوج کی سرکردگی فرمائی۔ چنانچہ ۱۲۰۳ھ میں ایک کثیر التعداد فوج کے ساتھ انگریزوں کو مدد دینے کی غرض سے سرینگاپٹن (SEERINGAPATAN) تشریف لے گئے اور ۱۲۰۹ھ میں بمقام کھرڑا (KHARDA) آپ میں اور مرہٹوں میں جنگ چھڑ گئی۔ یہ عہد ولی عہدی کا واقعہ ہے۔

نواب آصف جاہ ثانی جب ۱۲۱۸ھ میں عین اس وقت جب کہ جنگ مرہٹہ ثانی کو شروع ہوئے صرف تین روز گزرے تھے انتقال فرمایا تو اعیان دولت اور ارکان سلطنت نے آپ کے انکار کے باوجود آپ کو تخت نشین کیا۔ ختم سال سے پیشتر لڑائی موقوف ہو گئی اور آپ نے بحیثیت حلیف کے انگریزوں کی امداد فرمائی۔ اور صلح دیوگاؤں (DEORAGN) کے ذریعہ لڑائی اختتام کو پہونچی جس کے اختتام پر سرکار نظام کو ملک برار، مغربی واردھا، اور وہ تمام اضلاع جو کہ مملکت سندھیا میں شامل تھے اور اجنٹہ کی پہاڑیوں کی جنوب میں واقع ہیں ممالک مفتوحہ کی صورت میں ملے۔

آپ نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے بھائیوں کی تنخواہ میں اضافہ فرمایا اور نواب ارسطو جاہ بہادر کو بدستور مدار المہام بحال رکھا۔

۲۸ محرم الحرام ۱۲۱۹ھ میں ارسطو جاہ نے انتقال کیا ان کی جگہ رگھوتم راؤ نائب پیشکار دو ماہ تک مدار المہامی کا کام انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد میر عالم رزیڈنٹ کی سفارش پر مدار المہام مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ مدار المہامی میں ایک تالاب بنوایا جو آج تک "تالاب میر عالم" کے نام سے مشہور ہے اور جس کا پانی چند سال پیشتر تک بھی

پینے کے لئے استعمال ہوتا رہا۔

سنہ ۱۲۲۰ھ میں جشن سالگرہ ترتیب دیا گیا اور امرا اور اعیان دولت کو خطابات وغیرہ سے سرفراز فرمایا گیا۔

۱۸ صفر المظفر سنہ ۱۲۲۱ھ کو راجہ چندو لعل کو جن کا نام نہ صرف حیدرآباد میں بلکہ دور دور تک مشہور ہے خدمت پیشکاری سے سرفراز فرمایا گیا۔

۲۰ شوال المکرم سنہ ۱۲۲۳ھ کو میر عالم نے انتقال کیا اور ان کی جگہ ۱۵ رجب المرجب سنہ ۱۲۲۴ھ کو اون کے داماد منیر الملک بہادر مدار المہام مقرر ہوئے۔

سنہ ۱۲۲۹ھ میں جب پنڈاریوں نے لوٹ مار شروع کر دی تو اون کے استیصال کی غرض سے سرکاری فوج کے علاوہ انگریزی فوج بھی جو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے متعین تھی روانہ کی گئی۔ اور پنڈاریوں کے سردار امیر علی نے اطاعت قبول کر لی۔

صلح دیوگاؤں کے بعد حیدرآباد کنٹنجنٹ کا ناکارہ ثابت ہونا ظاہر کرکے یوروپین افسروں کے ذریعے اوس کی تنظیم جدید کی گئی اور سنہ ۱۹۰۳ عیسوی میں اس فوج کو ہندوستانی افواج میں ضم کر دیا گیا۔

اس صلح کے ذریعہ سرکار نظام پر جو کچھ بھی کہ مطالبات چوتھ (CHAUTH.) کی وجہ سے عائد کئے گئے تھے اون تمام سے نجات حاصل ہوگئی اور ملک کے بعض حصص کو تبدیل کر کے ایک مستحکم سرحد قائم کر لی گئی۔

اسی زمانے میں اوس وقت کے رزیڈنٹ سی ٹی مٹکاف (جو آئندہ سر چارلس اور اوس کے بعد لارڈ مٹکاف ہوئے) نے اپنی

ڈپلومیسی سے ریاست کی بہبودی کے خیال سے مالگزاری اور کوتوالی ضلاع کی نگرانی کے لئے یوروپین عہدہ دار مقرر کئے اور اسی زمانے سے گویا مملکت سرکار عالی میں یوروپین عہدہ داروں کے تقرر کا سلسلہ کسی نہ کسی بنا پر اب تک جاری ہے۔

۱۲۳۵ھ میں آپ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ساٹھ لاکھ روپیہ قرض لینا چاہا لیکن کمپنی مذکور نے مطلوبہ روپیہ ولیم پامر اینڈ کمپنی سے دلوا دیا۔ اس کمپنی نے ۱۲۳۹ھ میں اصل معہ سود کے زر خطیر کا دعوا آپ پر دائر کر دیا۔ لیکن مٹکاف نے حالات اور واقعات کے لحاظ سے اپنی حسن سعی ظاہر کر کے مطالبہ پیش کش اور اشدنی شمالی سرکار کو سرمایہ میں منتقل کر دیا جس کے باعث سرکار نظام کو کمپنی مذکور کی رقم کی ادائی کے تصفیے میں سہولت ہوئی حالانکہ رزیڈنٹ کی مداخلت ایک حد تک بالکل ہی بیجا اور مطالبات نا درست تھے۔

آپ کو تعمیر سے بیحد شغف تھا چنانچہ آپ کے عہد میں کئی ایک جدید عمارتیں تعمیر کی گئیں آپ نہایت ہی تنومند اور بہادر تھے۔ علم و فضل سے آپ بہرہ ور اور طب سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ آپکے نو صاحبزادے اور آٹھ صاحبزادیاں تھیں۔

آپ رعایا کی فلاح و بہبود کے ہر ایک کام میں بیحد دلچسپی لیتے تھے اور اس لحاظ سے اپنے عہد کے فرد فرید تھے۔

عام تبصرہ

آپ کے دور حکومت میں مدار المہام نواب ارسطو جاہ انگریزی حمایت کے خاص حامی تھے۔ انہیں کی کوششوں سے نواب نظام علی خاں کے

عہد میں فرانسی اثر زائل ہو گیا۔ نواب سکندر جاہ نے دربار کی فریق بندی کی وجہ تاریخ رشید الدین خانی کے موجب حکومت کو لینا پسند نہ فرمایا۔ امرائے دربار کی کوششوں سے آپ مسند نشیں ہوئے۔ ارسطو جاہ دیوان ہونے کی وجہ علاوہ ہی گویا حکومت کے کار فرما تھے۔ انگریزی اثر بدستور بڑھتا گیا۔ میر عالم چندو لعل وغیرہ کے تقررات گویا انگریزی سفارشات کے بنا پر منظور ہوئے۔

جب ارسطو جاہ کا انتقال ہوا تو رزیڈنٹ کی پر زور سفارش پر میر عالم بہادر مدار المہام کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ چنانچہ رسل جو کہ اوس وقت رزیڈنٹ تھا اپنے ۲۴ نومبر ۱۸۱۹ء کے ایک مراسلے میں میر عالم کے متعلق اس طرح اظہار خیال کرتا ہے۔

"بلاشک وہ پبلک معاملات میں بڑی قابلیتوں کا مالک تھا۔ مگر دل کی ان خوبیوں سے قطعاً عاری تھا جو اعلا دماغی قوتوں کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ وہ حریص، بے حس، کینہ پرور، اور سنگدل تھا۔ اس نے نہ کسی احسان کو یاد رکھا اور نہ کسی قصور کو بھلایا۔ اگرچہ وہ سخاوت کے اظہار کا شوقین اور ہر دلعزیزی کا طلبگار تھا، مگر اس کے دل میں اپنے ابنائے نوع کے لئے نہ منفرداً نہ مجتمعاً، کوئی جذبۂ ہمدردی تھا۔ اس کے احوال اور اس کی قابلیتوں نے اس کو اپنی حکومت کے لئے عمدہ کام کرنے کی اتنی قدرت بہم پہنچائی تھی جتنی اس حکومت کے کسی ملازم کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ مگر اس نے بہت سی خرابیوں کو بڑھا دیا۔ اور کسی ایک کو بھی کم نہ کیا۔ ...... اس کا دور حکومت زیادہ تر نظام سے اقتدار چھیننے میں گزر گیا۔"

یہ اوس دیوان کی خصوصیات تھیں جن کو انگریزوں نے اپنے مفاد کی خاطر حیدرآباد کی وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں خیال کیا۔ انگریزوں کو اس کے بعد اپنے اثرات بڑھانے کے لئے پیہم موقع ملتے گئے۔ چنانچہ میر عالم نے مہاراجہ چندو لعل کو اپنا پیشکار بنایا۔ اور میر عالم کے انتقال کے بعد اون کے داماد منیر الملک رزیڈنٹ کی سفارش پر مدار المہام ہوئے لیکن وہ برائے نام وزیر تھے اور کل کاروبار مہاراجہ چندو لعل سے متعلق تھے۔ کیونکہ رزیڈنٹ سے یہ پہلے ہی معاہدہ ہو چکا تھا کہ منیر الملک کسی قسم کی دخل اندازی نہ کیا کریں بلکہ چندو لعل رزیڈنٹ کے مشورہ سے جو کچھ بھی کارروائی کرے اس کی منیر الملک توثیق کر دیا کریں۔

مختصراً یہ کہ آپ کے عہد کی تین نمایاں خصوصیتیں تھیں۔ اول یہ کہ حکومت کے اندرونی معاملات میں انگریزوں کو مداخلت کا پورا موقع دیا گیا۔ اور رزیڈنٹ کی خواہشات پر مدار المہامان وقت نے اپنے آقا اور ملک کے مفاد کو قربان کر دیا۔ دوم یہ کہ معاملات کو نااہل لوگوں پر چھوڑا گیا اور ذمہ داریوں کے لئے اہلیت کا معیار قابلیت کی بجائے نذرانوں اور شخصی تعلقات کو قرار دیا گیا۔ سوم یہ کہ مداخل و مخارج کا توازن باقی نہ رہا اور قرض لے کر خسارے کو پورا کرنا ریاست کی مالی پالیسی کا جزو قرار دیا گیا۔

آپ کے عہد میں ریاست کے سیاسی مرتبے میں بھی کمی واقع ہوئی۔ نواب نظام علیخاں بہادر غفران مآب کے عہد تک دونوں سلطنتوں میں مساویانہ طور پر سفارتی تعلقات تھے۔ حیدرآباد میں رزیڈنٹ اور

کلکتے میں سفیر رہا کرتا تھا لیکن ۱۸۱۶ء میں جب مرزا عبداللطیف کی جگہ یاورالدولہ کو سفیر مقرر کیا گیا تو گورنر جنرل نے اس کو ناپسند کیا اور کچھ عرصہ بعد اون کو واپس کر دیا اور اس کے بعد سفارت موقوف ہوگئی اور ریزیڈنٹ ہی ان دونوں عہدوں پر سمجھا جانے لگا۔

نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد تک ظاہری ادب آداب بدستور قائم تھے۔ گورنر جنرل خود کو سرکاری مراسلت میں "نیازمند" لکھا کرتا اور اعلیٰحضرت خود کے لئے "مابدولت" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ لیکن آپ کے انتقال کے بعد نواب ناصرالدولہ بہادر تخت نشین ہوئے تو اون سے مساویانہ طور پر خط وکتابت شروع ہوگئی۔

میرعالم کے زمانے میں دیوان ریاست سے گورنر جنرل کی خط وکتابت برابر کے دوستوں کی سی ہوا کرتی تھی لیکن سراج الملک نے ۱۸۴۷ء میں دیوان ہونے کے بعد انہیں آداب و القاب کو استعمال کیا تو گورنمنٹ کی طرف سے حسب ذیل تنبیہ کی گئی :-

"ہندوستان کے حالات اب اس وقت سے بہت بدل چکے ہیں جب کہ ان کے پیشرو میرعالم کو یہ القاب چالیس برس پیشتر سے لکھے گئے تھے جنہیں اب مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل اور حیدرآباد کے دیوان کی اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ برٹش گورنمنٹ کے نمائندے کو اس طرح سے خطاب کیا جائے۔ جو ایک زیر حمایت اور امداد پانے والی ریاست کے وزیر کے ساتھ مساوات کو ہو سکتا ہو"۔

حوالے :- بستان آصفی، تذکرۂ مجوبیہ دولت آصفیہ وحکومت برطانیہ اور (LEADING NOBLES, OFFICIALS AND PERSONAGES OF HYDERABAD) وغیرہ

آصف جاہ چہارم

نواب میر فرخندہ علی خاں ناصر الدولہ غفران منزل ۱۲۰۸ھ ۱۷۹۴ء میں متولد ہوئے اور اپنے والد نواب سکندر جاہ کی وفات پر فرزند اکبر و ولی عہد کی حیثیت سے ۹ ار ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۹ء کو تخت نشین ہوئے اور حکومت برطانیہ سے عہد نامے کی تجدید عمل میں آئی۔

اس کے چار سال بعد منیر الملک کی وفات پر مہاراجہ چندو لعل کو جو عملاً مدار المہام تھے انگریزی اثرات سے اب باضابطہ یہ کام دیا گیا۔ انہوں نے بہ تدریج وہ اثر و اقتدار حاصل کیا جو بعد میں کہا جا سکتا ہے کہ کسی مدار المہام کو حاصل نہ ہو سکا۔

حضرت غفران منزل سے پہلے کے دور میں چند یوروپین افسر ملک کے معاشی و ثروتی حالات کی تحقیقات اور مشورت انتظام مالگذاری کے عنوان سے برطانوی حکومت کی خواہش پر مامور ہوئے لیکن حضرت غفران منزل نے واپسی پر اصرار کیا اور بالآخر وہ ختم مدت پر چلے گئے۔

۱۲۵۵ھ کے لگ بھگ ہندوستان میں وہابیت کی ایک عظیم تحریک

پھیل رہی تھی انگریزی احکام کے تحت مرشد زادہ نواب مبارز الدولہ کو ان سے ہمدردی رکھنے پر بلارم کی انگریزی فوج کی مدد سے گولکنڈے میں نظر بند کر دیا گیا اور بعض غیر ملکی دائمی قید یا شہر بدر کیے گئے۔

مہاراجہ چندو لال کی فیاضی اور قحط و بدانتظامی سے خلاف معاہدہ قائم شدہ انگریزی امدادی فوج (کنٹنجنٹ) کی تنخواہ چڑھنے لگی۔ مجبوراً دیوان خدمت سے سبکدوش کر دیے گئے اور دیوان گردی ہونے لگی اور عارضی بدنظمی اور ملکی مالگذاری کی بنیاد پر رزیڈنسی کے اثرات سے میبو کے سابق دیوان وینکٹ راؤ کو اس لئے طلب کیا گیا کہ حضور نظام ملک داری کے بار سے سبکدوش رہیں اور دیوان رزیڈنسی کی "عارضی" مشورت سے مدارالمہامی کا کام انجام دیں۔ خوش قسمتی سے ونکٹ راؤ کی ناگہانی وفات سے یہ انقلاب ہوتے ہوتے رک گیا۔ اب لارڈ ڈلہاوزی نے دوسرا پیترا بدلا اور لنکاشایر کے روزافزوں ضروریات کے لحاظ سے فوجی "قبضے کی" دھمکی دے کر برار کی پنبہ خیز سرزمین کو انگریزی نگرانی میں لے لیا۔ یہ کنٹنجنٹ کی تنخواہ کی ضمانت کے لئے تھا۔ اس وقت بمشکل پچاس لاکھ قرضہ تھا جو حیدرآباد کے چند امیر مل کر جمع کر سکتے تھے مگر خودغرضیوں اور پارٹی فیلنگ سے اس کی کسی کو توفیق نہ ہوئی۔

۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء میں سالار جنگ اول اپنے چچا سراج الملک کی وفات پر مدارالمہام مقرر ہوئے۔ انھوں نے ملک کو بڑی قابلیت سے سنبھالا اور فینانس میں توازن پیدا کیا۔

۲۲ رمضان ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کو آصف جاہ چہارم نے وفات پائی۔ آپ کے زمانے میں چادرگھاٹ (حیدرآباد) کا پل بنا اور روہیلوں کو ملک بدر

اور پٹھانوں کی قوت دبائی گئی۔

آصف جاہ پنجم

میر تہنیت علی خاں افضل الدولہ مغفرت مکان ۱۳ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو پیدا ہوئے اور تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں "کمپنی" کی فوجوں نے حکومت انگریزی کا تختہ الٹنے کی مسلح کوشش کی۔ حیدرآباد کی مدد انگریزوں کے لئے جیسی کچھ مفید ثابت ہوئی اس کے متعلق صرف اتنا تذکرہ کافی ہے کہ اس ہنگامے کے شروع میں رزیڈنٹ حیدرآباد کو غالباً گورنر بمبئی کا یہ تار ملا "اگر نظام گئے تو سب کچھ چلا جائے گا"۔

امن قائم ہونے کے بعد شکر گزاری کا پرزور اظہار کیا گیا اور باجگذار فرماں روا ہونے کی سند دی گئی۔ "قومی" تاریخیں بتاتی ہیں کہ حیدرآباد کو کچھ علاقہ عطا ہوا اور کئی لاکھ کا قرضہ معاف کیا گیا۔ مگر کپتان فریزر (رزیڈنٹ حیدرآباد) اپنی کتاب "ہز فیتھ فل الائی دی نظام" میں تصریح کرتا ہے کہ رائچور وغیرہ علاقے کے عوض عبور دریائے گوداوری کی چنگی سے سرکار عالی کو دست بردار ہونا پڑا کیوں کہ اس سے صوبہ مدراس کو نقصان ہوتا تھا۔ یہ چنگی تقریباً اتنی بلکہ اس سے زائد ہوتی تھی جتنی "عطا شدہ" علاقے سے ہوئی۔ نیز فریزر کے مطابق قرضہ دراصل ادا طلب ہی نہ تھا۔

سالارجنگ نے فوج میں کچھ اصلاح کی۔ تنخواہیں بڑھائیں عام انتظامات کو بہت بلند درجے تک پہنچا دیا۔

باقاعدہ محکمہ جات عدالت، تعمیرات، طبابت، صفائی، تعلیمات وغیرہ قائم کئے گئے۔ بیرون حیدرآباد سے لایق دیسی افسروں کے خدمات حاصل کئے گئے اور سلطنت مغلیہ کے خاتمے پر مغلیہ سکے کی جگہ حیدرآباد کا اپنا سکہ بنایا گیا نیز ڈاک کے ٹکٹ بھی رائج ہوئے۔

۱۴ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء کو حضرت مغفرت مکاں نے وفات پائی۔ آپ بہت متقی عالم اور درویش دوست تھے۔ کلال خانے اندرون بلدہ سے آپ ہی نے خارج کرادئے۔ افضل گنج آپ ہی کی یادگار ہے۔

آصف جاہ ششم

میر محبوب علی خاں غفراں مکاں کی تخت نشینی کا دو سال سات ماہ کی عمر میں اپنے تاجدار والد کی وفات پر اعلان کیا گیا۔ آپ اکلوتے شہزادے تھے۔ امیر کبیر شمس الامرا نائب السلطنت بنے اور مدار المہام سالارجنگ ہی رہے۔

اس عہد کے اہم واقعات میں ریل کی اجرائی اور برٹش انڈیا سے اتصال ہے۔ بعض حکام کی خود غرضی سے یہ بہت گراں پڑی اور برسوں خسارہ رہا۔

۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء میں سالارجنگ لندن روانہ ہوئے تاکہ حیدرآباد کے

حقوق کی وکالت کریں۔ آپ کا وہاں استقبال و اعزاز تو خوب ہوا لیکن اصل عرض (براری برار) پر جواب ملا کہ شاہ دکن کے سن بلوغ کو پہنچنے تک انتظار کرنا مناسب ہے۔ یورپ کی تجربہ آموز سیر کے بعد واپسی پر سالار جنگ نے آرائش بلدہ کے احکام صادر کئے اور ستی کی رسم جرم قرار دی گئی۔

سالار جنگ کی بے وقت وفات کے ایک سال بعد ۱۳۰۱ء ۱۸۸۴ء میں شاہ دکن نے کامل اقتدارات کا استعمال شروع کیا اور اس تقریب میں بہ اصرار برطانوی ہند کے ویسرائے کو مدعو کیا گیا۔ اس کے بعد معتمدی سیاسیات و فینانس اور مجلس وضع قوانین کا قیام عمل میں آیا۔ عرصے تک وزارت گردی ہوتی رہی آخر ۱۳۱۹ء ۱۹۰۱ء میں مہاراجہ کشن پرشاد کا مدار المہامی پہ تقرر ہوا۔ اس کے بعد ہی لارڈ کرزن کی حیدرآباد کو یادگار آمد ہوئی۔ اس کے حالات ہم ارل رانلڈشے کی "مارکوئیس کرزن کی مستند سوانح عمری" کے جلد دوم باب (۱۵) سے ترجمہ کرکے پیش کریں گے۔

"اپریل ۱۹۰۲ء۔ لارڈ کرزن کا حیدرآباد جانا محض رسمی اور اخلاقی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اس سے بڑے اہم سیاسی نتائج پیدا ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیر نفاذ معاہدات کی رو سے برار پر ایک مستقل کمشنر مامور تھا جو رزیڈنٹ حیدرآباد کو جواب دہ تھا۔ اسیطرح حیدرآباد کنٹنجنٹ کی مستقل حیثیت تھی جس کی کمان ایک میجر جنرل کے ہاتھ میں رہتی تھی اور جو رزیڈنٹ حیدرآباد کے احکام کے ماتحت کام کرتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ برار کی آمدنی اب ایک کروڑ انیس لاکھ سالانہ ہو گئی تھی اور اور انگریزی امدادی فوج کے اخراجات (جس کے لئے برار بطور ضمانت انگریزوں کے سپرد کیا گیا تھا) تیس لاکھ سے زیادہ نہ تھے لیکن بچت جو

حضور نظام کو دی جاتی تھی وہ کبھی انیس لاکھ بہتر ہزار سے نہ بڑھی مختصراً لارڈ کرزن کے تجاویز یہ تھے کہ حیدر آبادی امدادی فوج برٹش انڈیا کی فوج میں ضم کر دی جائے مگر چند دستے حیدر آباد میں ضرور رہیں۔ اور برار پر حضور نظام کا اقتدار اعلا (ساورنٹی) تو برقرار رہے لیکن اسے صوبجات متوسط (برٹش انڈیا) میں ضم کر دیا جائے۔ اس طرح بجٹ میں اضافہ ہو کر جو بھی رقم آئے اس میں سے حضور نظام کو سالانہ پچیس لاکھ کی معینہ رقم دی جایا کرے، جو گویا اضلاع برار کی رقم پٹہ سمجھی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ اس سے حضور نظام اور حیدر آباد دونوں کو فائدہ ہو گا۔ اور غالباً ہم پر واجب ہے کہ دونوں کو کچھ معاوضہ دیں"۔ (رپورٹ کرزن ۲۵ ستمبر ۱۹۰۱ء)
لیکن اس سے لارڈ کرزن کا دعوا تھا کہ برطانیہ کو بے حد فائدہ ہو گا "کیونکہ کسی بڑے ایثار کے بغیر اور عاجلانہ مالی فوائد کے توقعات کے ساتھ ہم برار کے بھوت کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں گے"۔ (ایضاً)۔۔۔۔
کرنل بار رزیڈنٹ سے ویسرائے کو یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ ایک پیش سوالی پر حضور نظام نے تلخ انکاری جواب دیا۔۔۔۔ حیدرآباد پہنچنے پر ایک تخلیے میں حضور نظام نے کہا کہ اگر ویسرائے خود اپنی زبان سے (خلاف معاہدہ) یہ بیان کر دے کہ برار مجھے کبھی واپس نہیں ہو سکتا تو پھر میں ویسرائے کے حل کو خوشی سے قبول کر لوں گا۔۔۔۔ ویسرائے نے ایسا ہی کیا۔۔۔۔ لیکن اس نے لندن کی حکومت سے (کسی نہ کسی باعث) یہ استدعا کی کہ براہ کرم اس سے یہ خیال نہ کرنا کہ نظام نے میرا شخصی لحاظ کر کے کسی کمزوری یا خوف سے مجبوراً مان لیا۔ انھوں نے میرے دلائل کو سن کر اور یہ یقین کر کے کہ میں ان کا اور مملکت حیدرآباد کا

دوست ہوں اسے مانا۔ اس طرح آپ کو اس بات کا کوئی خوف نہ کرنا چاہئے کہ حضور نظام اپنے فیصلے پر پشیمان ہوں گے یا پچھتائیں گے۔ میں اس بات کا ادعا کر سکتا ہوں کہ حضور نظام اس وقت سب سے مطمئن آدمی ہیں (خط ۲ر اپریل ۱۹۰۲ء) .... لارڈ کرزن ایک خط میں سر میکڈانل کو لکھتا ہے" .... اس طرح میں نے جو کیا ہے وہ میرا ہندوستان میں اب تک سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن (میری قدردانی کرنے) وطن میں برادرے کوئی بھلا کہاں واقف ہے"۔

اس کے بعد اعلا خدمات کے اعتراف میں مدارالمہام کو دربار انگریزی سے خطابات عطا ہوئے۔

اس عہد کے مزید اہم واقعات میں رمضان ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء کی طغیانی ہے جس میں حیدرآباد کا کثیر جانی و مالی نقصان ہوا۔ حضرت غفران مکاں کی پدرانہ شفقت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ علاوہ ہر قسم کے امدادی کاموں کے یہ طے ہوا کہ شہر سے دس بارہ میل پہلے ندی کی دونوں شاخوں پر دو عظیم الشان تالاب بنائے جائیں تاکہ آئندہ طغیانی کے خطرات سے انسانی امکان کی حد تک نجات مل جائے۔ یہی تالاب بعد تکمیل عثمان ساگر اور حمایت ساگر کہلائے مگر آہ اس سے بہت قبل یہ ولی صفت بادشاہ ۲ر رمضان ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اور آپ کے ولی عہد اور فرزند اکبر میر عثمان علی خاں نے (خدا آپ کو تادیر سلامت باکرامت رکھے) تخت سلطنت پر اپنے جلوس کا اعلان کر کے ملک کو اطمینان دلایا۔

شاہِ دکن سلطان العلوم

(مدیر)

شاہ شاہاں میر عثمان علی خاں زندہ باد

آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علی خان فتح جنگ سلطان العلوم ہمارے موجودہ تاجدار ہیں۔ گو ہمارے محبوب فرماں رواکے حالات کا ہر وقت اعادہ ایک تازہ دلچسپی رکھتا ہے لیکن یہاں پر صرف چند دلچسپ حقائق اور غیر متداول واقعات کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی گو ضمناً چند دیگر امور کا بھی ذکر ضروری ہے۔

ولادت ۲۹ ذی الحجہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ م ۵ ویں اپریل سنہ ۱۸۸۶ء کو ہوئی۔ بچپن ہی سے ملک کے بہترین دماغ اور اخلاق تربیت آموزی پر مامور ہوئے۔ ذہن کے پختگی کو پہنچنے کے بعد ولی عہد مملکت کے ضروریات کے مطابق انتظام مملکت اور عدل گستری کا علمی و عملی تجربہ کرایا جانے لگا۔ ملک اور رعایا سے شخصی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وسیع اور تفصیلی دورے ہونے لگے۔ غرض یہ کوئی مبالغہ نہیں کہ بعض معتمدین محکہ جات اور ان کے مددگاروں نے دنیا کے ایک بہترین سیاسی دماغ کی تربیت اور آبیاری

کی عزت حاصل کی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) کو تخت نشینی کا ملک نے جشن منایا جس کے بعد سے اب تک ایک انتھک سید القوم کی غیر مختتم خدمتوں سے ملک مستفید ہو رہا ہے۔ ترقی کے مدارج نہایت تیزی اور استقلال کے ساتھ طے ہو رہے ہیں۔

خاندانی نبالت اور شاہی عظمت خصوصیات جہاں پناہی اور کارنامہ جات ظل اللہی کے مختصر تذکرے سے قبل چند ایک تاریخی امور قابل ذکر ہیں:۔

مغفرت مآب آصف جاہ اول کے مشہور وصیت نامے میں مذکور ہے کہ ایک دن نادر شاہ نے فتح دہلی کے بعد آپ کو محمد شاہ کی جگہ تخت ہند پیش کیا مگر دہلی کو نادری قتل عام سے بچانے والے اس نبیل (NOBLE) ہیرو نے جواب دیا کہ جس کا نمک کھایا ہے اس کی جگہ لینی گستاخی ہے۔

اسمتھ اپنی کتاب "آکسفرڈ ہسٹری آف انڈیا" میں رکارڈ کرتا ہے کہ وارن ہسٹنگز نے اپنے ہمعصر حضور نظام سے استدعا کی تھی کہ "ہز مجسٹی" کا شاہی خطاب استعمال فرمایا جائے۔

کچھ عرصے سے ملک میں اس قسم کے کاغذات کے دریافت کی خبریں سنی جا رہی ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی مشہور جنگ کے اختتام پر (جس میں انگریزی حکومت کو الٹ دینے کی ناکام پہلی کوشش کی گئی تھی) حکومت برطانیہ نے اس وقت کے شاہ دکن سے تخت دہلی کے قبول کرنے کی درخواست کی تھی اور بہ خیال منظوری سرکاری کاغذات وغیرہ

دہلی سے حیدر آباد بھیجے تھے۔ اب بھی وہی جواب ملا کہ "جس کا نمک کھایا ہے اس کی جگہ یعنی گستاخی ہے۔"

یہ تو خیر داستان پارینہ تھی۔ لیکن اب بھی چند دلچسپ حقائق ایسے ملتے ہیں جن کا خیال دل میں نئے نئے ولولے پیدا کرتا ہے۔

ہز ہائنس سلطان مکلا و شحر عرب کے ایک خود مختار حکمران ہیں۔ برطانوی حکومت آپ کو توپوں کی سلامی دیتی ہے۔ لیکن جب آپ حیدر آباد آتے ہیں تو نظم جمعیت (فوج بے قاعدہ) سرکار عالی کے ایک جمعدار اور ملکی امراء میں سے ایک امیر سمجھے جاتے ہیں۔

ہز ہائنس مہاراجہ اندور حیدر آباد کے ایک موضع کے موروثی پٹیل ہیں۔ کچھ عرصہ قبل سرکار عالی کے قانون مالگذاری کے لحاظ سے کچھ بحث آئی تھی تو مہاراجہ وقت (سر تکوجی راؤ) نے رزیڈنسی کے توسط سے اپنے حقوق کی حفاظت کی سخت کوشش کی تھی۔ بالآخر جب سرکار عالی نے ہز ہائنس کے موروثی حقوق پٹیل گری کو تسلیم کر لیا تو ہز ہائنس نے اپنی ممنونیت اور شکر گزاری کا سرکار عالی سے اظہار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مہاراجہ کا ایک کارندہ کام انجام دیتا ہے۔

متعدد روسائے ہند مثلاً ہز ہائنس مہاراجہ دہار، ہز ہائنس نواب صاحب بنگن پلی وغیرہ نے حیدر آباد کے جاگیرداروں وغیرہ کے ہاں شادیاں کی ہیں۔ راجہ صاحب سمستان شوراپور (حیدر آباد) کو ترپتی کے مشہور مندر میں سرپرستی کی عزت حاصل ہے۔ گو مہاراجہ میسور وغیرہ نے جو مندر کی خاصی امداد کرتے ہیں اس عزت کو حاصل کرنا چاہا مگر مہنتوں نے انکار کر دیا۔

سرکارِ عالی کے بیسیوں جاگیرداروں میں سے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ہے جسے متعدد علاقے بطور جاگیر عطا ہوئے۔ اس علاقے کے ساتھ جاگیرات کا سا سلوک ہونا چاہئے۔

حیدرآباد میں متعدد ہندو مسلمان جاگیردار ایسے ہیں جن کی آمدنی پندرہ سے پچاس لاکھ سالانہ تک بیان کی جاتی ہے۔ اس سے کم وسعت اور کم آمدنی کے علاقے دار ہندوستان میں ہزہائنس کہلاتے ہیں مگر یہ جاگیردار شاہ دکن کی مودبانہ خدمت گزاری اور اطاعت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ علاوہ براں حیدرآباد کا اپنا سِکّہ اور سکّہ ہے اور ایک لاکھ مربع میل اور سوا کروڑ آبادی پر مشتمل ہے۔ اور ملکی زبان ہی سرکاری اور تعلیمی زبان ہے۔ اسی طرح حیدرآباد کی تقویم (کیلنڈر) بھی مستقل ہے۔ اگر فصلی سنہ کے غیر معروف پارسی ناموں کی جگہ شاہانِ آصفیہ کے نام کے مہینے بنائے جائیں تو اس میں پوری حیدرآبادیت آسکتی ہے۔ ایسی انگنت چیزیں ہیں۔

انتظام ایک مشہور فرانسیسی سیاح موسیو پرنوحال میں اپنے سفرنامۂ ہند (SUR LA DE L'INDE) میں حیدرآباد کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ "اس قدیم اسلامی سلطنت میں ہندو اکثریت ہے جو اطمینان اور مرفہ الحالی سے بہرہ ور ہے۔" روشن خیالی اور بے تعصبی کی کسی مزید دلیل کی اس کے بعد ضرورت نہیں۔

اس انیس سالہ دورِ حکومت میں محکمہ جات فینانس، عدالت، تعمیرات، تعلیم، آبپاشی، ریلوے وغیرہ میں ماشاء اللہ بے نظیر ترقی ہوئی ہے اور بہ لحاظ ضرورت متعدد نئے محکمے مثلاً ترقیات عامہ، آرائش بلدہ

آثار قدیمہ، جامعۂ عثمانیہ، امداد باہمی، کشافہ (بائے اسکاوٹ) وغیرہ قائم کئے گئے ہیں صنعت و زراعت کی مزید ترقی ہر آن پیش نظر ہے۔ مچھلی بندر میں بجرہ قائم کرنا عرصے سے زیر غور ہے۔ نیز ملک کے فرزندوں کو ملک کی خدمت کے لئے تیار کرنا اور زیادہ سے زیادہ موقع دینا طے شدہ پالیسی ہے کہ اس کے بغیر سچے بہی خواہ اور کاردان و کارگزار نہیں مل سکتے۔ اجنبی آمد صرف امدادی اور عارضی ہے۔

اخلاق و کردار شاہ دکن نہ صرف ایک مدبر اعظم اور زبردست سیاس ہیں بلکہ سلطان العلوم بھی ہیں۔ متعدد علوم میں کمال، بہت سی زبانوں میں مہارت اور شعر و شاعری میں پختگی بھی حاصل ہے۔ نعت سرور کائنات اور مراثی شہدائے کربلا و خاص مضامین سے دلچسپی ہے اور خاص کر اردو لغت میں آزاد نقاد بھی کلام الملک کو ملک الکلام اور لاثانی قرار دیتے ہیں۔ اردو کی طرح فارسی کلام بھی اہل زبان سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ دیگر عام کلام میں "پردہ" کے عنوان سے جو نظم لکھی گئی تھی وہ ملک میں ہر جگہ ورد زبان ہے۔

تاریخ میں ایسی بہت ہی کم شخصیتیں ملیں گی جن کی فیاضی عالمگیر ہو اور جن کے شاہانہ عطیوں سے علماء، مدرسے، طرح طرح کے ادارے، ہر طبقے کے مستحق و محتاج فیضیاب ہوتے ہوں۔ اور اس فیضیابی میں ملک و قوم کی قید نہ ہو۔ حد ہو گئی کہ لارڈ ارون کی سیر حیدرآباد کے موقع پر بجائے مہمان کے میزبان خیرات کے لئے رقم مہمان کو دیتا ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ایک طرف تو یہ ناقابل احصاء لاکھوں کروڑوں کی داد و دہش ہے

اور دوسری طرف شخصی نفس کشی اور سادگی میں اسلام کے عہد زریں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بہت کم اجنبی یہ باور کرنے پہ آسانی آمادہ ہوتے ہیں کہ سرتاپا سادہ معمولی ملکی لباس پہنی ہوئی مجسم نمونۂ عمل شخصیت ہی ہے جو سوا کروڑ نفوس کی نگہباں ہے اور جس کی جنبش قلم سالانہ کروڑوں روپیے خرچ کراتی ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور خصوصیت ہے کہ نہایت بے تعصب ورواداری اور ساتھ ہی پکے مذہبی اور عبادت گزار حضور کی روزے نماز کی پابندی، منہیات شرعی سے اجتناب اور یہ خیال کہ "مذہبیت کبھی ترقی میں حارج نہیں" اہل ملک کے لئے تازیانۂ عبرت رکھتے ہیں اور اثر پیدا کررہے ہیں۔ کیوں نہ ہو؛ الناس علیٰ دین ملوکھم

حال میں ایک اٹالین استعمار پرست سیاح حیدرآباد آیا تھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی گفتگو میں اس نے مجھ سے کہا "حیدرآباد میں بس یہ ایک (یعنے شاہ دکن) زبردست (خاکش بدہن) کانٹا ہیں جو یورپی تہذیب (جہالت) کے پھیلنے سے مانع ہیں۔" خدا نہ کرے جو ہم اس کے مصداق بنیں کہ "قدر نعمت بعد زوال"۔

راعی و رعایا دوآبۂ گوداوری و کرشنا کا کونسا سچا فرزند ہوگا جسے اپنے بادشاہ سے عشق نہ ہو۔ حقوق عدل گستری کے ساتھ ہی ساتھ امداد، وفاداری، اور اطاعت رعایا کے فرائض بھی ہیں لیکن راعی کا رعایا کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنا، بطور متولی کے ان کے مفاد کی خاطر چین و آرام کو قربان کرنا اور انتظام مملکت میں پدرانہ شفقت کا برتاؤ کرنا جو تسخیر قلبی کررہا ہے اس کا والہانہ مظاہرہ یوم مراجعت

از دہلی کے موقع پر کچھ دیکھا جا سکتا تھا۔

دو صد سالہ جشن سالگرہ سلطنت آصفیہ اور عید یوم خود مختاری رعایا کو ان کے حقوق اور فرائض پر متنبہ کرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ملک اس دن کی اہمیت سے روز بروز بیش از بیش واقف ہوتا جائے۔

زندہ باد شاہ ما۔ پائندہ باد ملک ما۔ متحد باد قوم ما

آمین

پرچم آصفی

(محمد فاروق شریک مدیر)

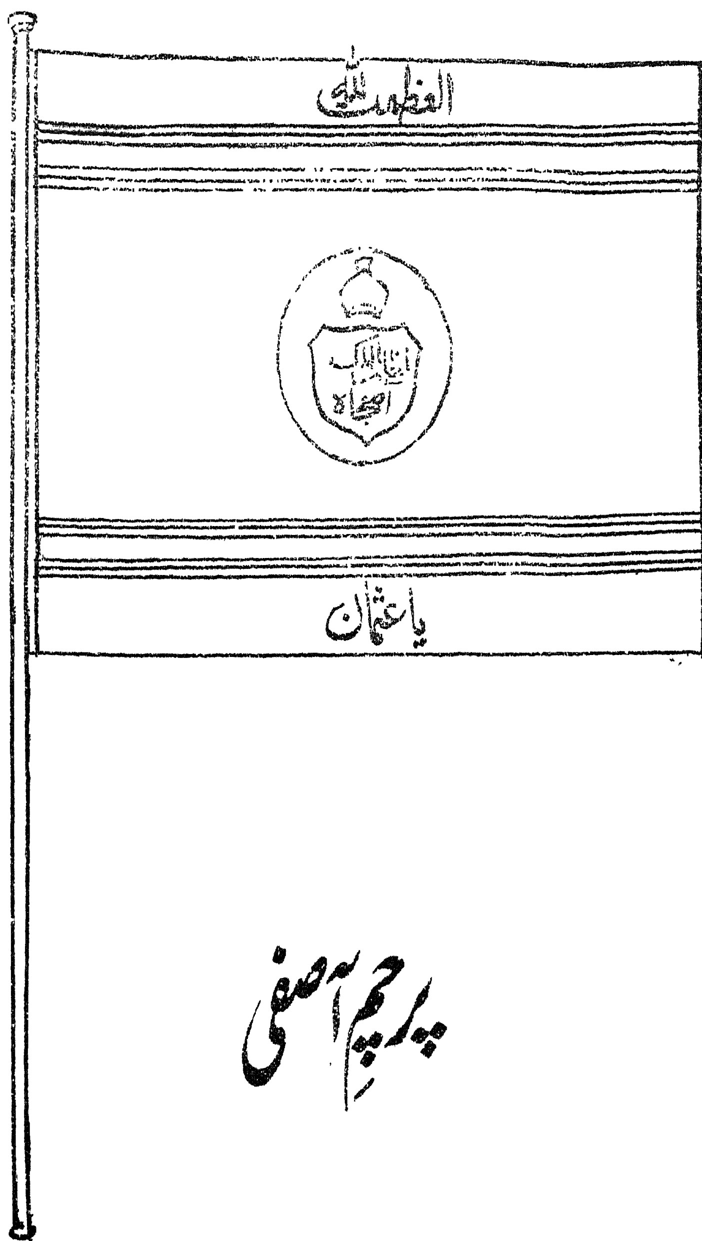
"...... جب آصف جاہ اول وزیر اعظم دربار دہلی کی اصلاح سے بالکل مایوس ہو گئے تو سوچا چلو دکن جائیں۔ وہاں ایک مستحکم طاقت قائم کریں اس کے بعد پھر صدر مرکز کی مدد کا دھیان کریں۔ جب وہ دکن کا عزم کر رہے تھے تو انہوں نے ایک مرد با خدا، شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا شرف قدمبوسی حاصل کیا اور دعائے کامیابی کے لئے التجا کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت طعام تناول کر رہے تھے اور زرد دوشالہ اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک چپاتی اٹھائی اور زرد دوشالے پر رکھ کر آصف جاہ کو دے دیا اور کہا "جاؤ خدا کا فضل تمہارے ساتھ ہے"۔ پر عقیدت آصف جاہ اسے لے کر واپس آئے اور دکن روانہ ہو گئے۔ راہ میں مشکلات اور مصائب کا

ضروری سامنا کرنا پڑا لیکن سب پر وہ غالب آ گئے۔

دکن میں آنے کے بعد انھوں نے اس زرد و شالے کو جس پر چپاتی کا نشان بنا دیا گیا تھا اپنی سلطنت، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اپنے زبردست منصوبے کے لئے علم قرار دیا۔ اور وہی بالآخر سلطنت آصفیہ (صانہا اللہ عن الفتن) کا پرچم قرار پایا۔

نواب میر محبوب علی خاں مرحوم کے زمانے تک پرچم آصفی اسی وضع کا تھا کہ ایک زرد چوکور کپڑا اور اس پر عین درمیان میں ایک سفید دائرہ۔ جب افواج آصفی کی کمان نواب افسر الملک بہادر کے حوالے کی گئی تو انھوں نے علم کے بالائی اور نشیبی جانب سبز اور سفید رنگ کی تین تین پٹیاں اور اضافہ کیں۔ سفید دائرے میں ایک زرد دستار اور اس کے نیچے ایک ڈھال نما شکل بھی بڑھا دی۔ ڈھال پر نظام الملک آصف جاہ کی عبارت اور پرچم کی بالائی دھاریوں کے اوپر آصفی حکومت کے مطمح نظر (ماٹو) "العظمۃ للہ" کا، اور نشیبی دھاریوں کے نیچے "یا محبوب" کا علاوہ ازاں اضافہ کیا۔ ہمارے موجودہ بادشاہ دکن کے زمانے میں پرشکوہ پرچم میں "یا محبوب" کی جگہ "یا عثمان" لکھا جانے لگا۔

یہ واقعات ہمارے معمر سپہ سالار نواب افسر الملک بہادر ہی کے بیان کردہ ہیں اور دفتر اسکاوٹ کے ناظم صاحب نے ان سے اسی لئے ملاقات کی تھی کہ جھنڈے کی اصلی سرگذشت معلوم کریں کیونکہ کچھ عرصہ قبل ٹائمز آف انڈیا ہفتہ وار میں ایک اور ہی کہانی درج ہوئی تھی جو کسی طرح درست نہ تھی فقط



پرچم آصفی

عرصۂ دہر میں چلتی ہوئی تلوار تو بن

اے دل، آزادیٔ کامل کا سزاوار تو بن
پہلے اس کاکلِ پیچاں کا گرفتار تو بن

اس میں شرط ہے ہر جنگ میں احساسِ خودی
فتح خود پاؤں پہ جھک جائے گی، خوددار تو بن

دے گی پائے طلب، خود تجھے بوسہ منزل
پہلے دیوانۂ ہنگامۂ رفتار تو بن

تجلیاں خود سے بتا دے گی مشیت تیرا
کھینچ تو آگ سے تجلی کا طلبگار تو بن

(جوش ملیح آبادی)

جہادِ زندگانی

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

تمیزِ بندہ و آقا، فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

(اقبال)

FREEDOM'S BATTLE

FREEDOM'S BATTLE ONCE BEGUN,
BEQUEATHED BY BLEEDING SIRE TO SON,
THOUGH BAFFLED OFT, IS EVER WON.

(انڈین ریویو دسمبر ۲۹ء)

ترجمہ:-

جہادِ حریت

جہادِ حریت کی اگر ایک دفعہ ابتدا ہو جائے تو زخمی باپ سے بیٹے کو وہ وراثت میں ملتا ہے اور گو اکثر (عارضی) پسپائی ہوتی ہے لیکن انجام ہمیشہ فتح ہوتا ہے۔

دُعا

الاہی میر عثمان علی خاں شاہ شاہاں ہو
جلالت میں سکندر ہو حکومت میں سلیماں ہو

(کمان استقبالی بر واپسی مبارک از دہلی) (آمین)

ترانۂ قومی

خضر کی عمر ہو تجھ کو عطا بخت سکندر ہو
شہ عثمان علیخاں تو رئیس ہفت کشور ہو

فلک پر جب تلک ہو مہر و ماہ اور مہر و ماہ میں ضو
تری رفعت تری ثروت تری شوکت فزوں تر ہو

شجر میں شاخ ہو اور شاخ میں جب تک ثمر آئے
زمانے میں ترا نخل تمنا بار آور ہو

آمین (اسکاوٹوں کی قومی نظم)

تاریخ تخت نشینی شاہ عثمان

فخر آصفاں بلکہ ہمہ آدمیاں باد

ف ۱۳۲۲

م ح ا

ہمارا مطمح نظر اور اس کے حصول کے ذرائع

(کتاب روح ارتقا کے چند ابواب کا اقتباس)
بغرض افادہ

بیدار شو اے دیدہ کہ ایمن نتوان بود
از سیل دمادم کہ دریں منزلہ خوابست

تمہید زندہ اور مہذب اقوام کا مطمح نظر میدان ترقی میں آگے بڑھنا ہے۔ انسانی تخیل، کوشش، قوتِ ارادہ اور قوتِ عمل کو قوم کے سنوار اور بگاڑ میں بڑا دخل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

غیر مغلوب ہمت، بلند حوصلگی، اولوالعزمی اور جد و جہد ہی انسان کو ذلت، پستی و ہزیمت کے گڑھے سے نکال کر اس کے سر پر کامیابی کا تاج رکھتی ہے اور اس کی معراج ترقی تک رہبری کرتی ہے۔

ع
بهر کاری که همت بستہ گردد
اگر خاری بود گلدستہ گردد

سبقریں پر ظاہر ہے کہ گاریبالدی اور میزینی (Mezzeni) کی کوشش سے اطالیہ واشنگٹن کی ہمت سے امریکا کمال پاشا کی سرگرمی سے ترکیہ اکبر خاں اور امان اللہ خاں کی بلند ہمتی سے افغانستان امر سنگھ کی دلیری سے نیپال میکاڈو کے اعظم کی جد و جہد سے جاپان آزاد اور خود مختار قوموں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ خدا انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں" ولینصرن اللہ من ینصرہ" (God helps those who help themselves)

ع
مرد باید کہ ہراساں نہ شود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

جو قوم اپنی حفاظت بقا اور ترقی کا دار و مدار اور انحصار اجنبیوں اور غیروں پر رکھے اور انکو اپنے مفاد کا کفیل اور ضامن تصور کرے اور خود جمود و ادبار کی زندگی بسر کرے تو ایسی قوم بہت جلد زوال پذیر اور تنازع بقا میں پسپا ہو جاتی ہے۔ اپنے ملک و ملت کی ترقی اور حفاظت و صیانت کے لئے افراد قوم کو خود کوشش کرنی چاہیے

ع کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

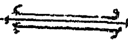
لیس للانسان الا ما سعیٰ:۔ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو کوشش کرے۔

ع بر توکل زانوے اشتر بہ بند

پر ہمارا عمل ہونا چاہیے۔

اس نظریے کو قران مجید میں نہایت وضاحت اور بسط سے بیان کر دیا گیا ہے کہ "اے مومنو اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جمائیگا" ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (پ ۲۶ س ۴۷)

مسلمانوں سے خطاب



کیا اسلام مانع ترقی ہے

دوسرے ملل میں وطنیت اور قومیت کو نہایت اہمیت
دیجاتی ہے۔ انکی بقا اور شیرازہ جمعیت ہر کسی اسی سے
وابستہ ہے مگر اسکے برخلاف مسلمانوں کی روح زندگی، انکی بقا، ان کا قومی استحکام انکی
ملی جمعیت اور ترقی، غرض انکا سب کچھ انکے مذہب پر منحصر ہے۔ مذہبستان اسلام
کی اس ہزار سالہ دینی روح کو مٹانے اور انکو نیست ہست نما بنانے کے لئے
عرصہ دراز سے مغرب دسیسہ کاریاں کر رہا ہے اور اس کے اس دجالانے (پروپاگنڈی)
سے اسلامی نئی نسل ایک حد تک متاثر ہو کر مذہب ہی سے متنفر اور کنارہ ہو رہی ہے،
اور اسکو مانع ترقی تصور کرنے لگی ہے ـــــ حالانکہ دنیا میں اسلام ہی ایک مذہب حق
ہے جو ترقی کا مرادف ہے۔ دوسرے مذاہب اور ادیان کی مذہبی تعلیم کا عنصر غالب
رہبانیت اور ترک دنیا پر مبنی ہے۔ ایسے مذہب کے ترک سے ہی انکی دنیاوی ترقی ہوسکتی
ہے اور دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مگر اسلام ہرگز دنیاوی ترقی کا مانع نہیں بلکہ
وہ تو دین و دنیا دونوں کی ترقی کا علمبردار، حامی اور سرپرست ہے۔ مسلمانوں کی شاندار
اور تابان و درخشان تاریخ اور سورہ "فتح" اور "نصر" اور فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ
حسنۃ اس دعوے کے بین ثبوت ہیں۔ اسلام نام ہے اس دستور العمل آسمانی
ہدایت، ملی اخوت، اور اسوہ حسنہ کا جس کی صحیح پابندی سے انسان اس عالم فانی میں
اپنی ہستی کو اپنے اور اپنی ملت کے لئے مفید اور کار آمد بنا سکتا ہے اور اعلی عروج
پر پہنچ سکتا ہے اور عالم آخرت کی لازوال ربانی رحمت اور ابدی مسرت کا مستحق

ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا
وفی الآخرۃ۔ یعنی (اللہ کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے
ان کو دنیاوی زندگانی میں بھی (فتح و نصرت) کی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ (پ ۱۱ ع ۱۱)
روم اور ایران کو مسلمانوں نے سات برس میں، شہنشاہیت عجم کو دو ماہ میں
سپین کو دو سال میں فتح کر لیا (تمدن عرب لیبان صفحہ ۱۲۳ ۔ مسلمانوں کی ترقی صفحہ ۱۳)
اسکا راز یہی تھا کہ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین: تم اسی وقت سربلند رہو گے جب تم
سچے مومن رہو۔

مسلمانوں میں جب تک مذہبی جوش، دینی حرارت، ولولہ، جذبہ ملک گیری تھے
کوئی قوت انکے عزم راسخ کو روک نہ سکی۔ ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ عربوں نے دنیا کو فتح کرنا اسی دن
سے شروع کیا جس دن سے انھوں نے دین محمدی کی برکت سے اپنے کو ایک قانون مقررہ (شریعت) کا
پابند کر لیا۔ یہی پابندی تھی جس نے عرب کے متفرق قبائل کو یکجا کیا (تمدن عرب صفحہ ۴۷)

مایوسی کفر ہے

پست ہمتی، تنگ نظری اور مردہ دلی کی علامت ہے۔ اسلام مایوسی کو کفر
بتاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے "نہیں مایوس ہوتی ہے خدا کی رحمت سے مگر کافروں کی
قوم"۔ حدیث شریف میں ہے "الیاس من الکفر": مایوسی کفر ہے۔
اولوالعزم اور بلند ہمت شخص اپنے پاس مایوسی کو پھٹکنے نہیں دیتا۔ فاتح روم و عجم
حضرت فاروق اعظم کا قول ہے کہ "پست ہمت نہ ہونے کی کوشش کر۔ انسانی ترقی کو پست
ہمتی سے بڑھکر کوئی چیز صدمہ نہیں پہنچاتی"۔ (اجتھد ان لا تکون دنی الھمۃ
فانی ما رأیت شیئا اسقط لقدم الانسان من تدنی ھمتہ ۔ ۵)

ہمارا مطمح نظر

ہمت بلند دار کہ مردان روزگار — از ہمت بلند بجائی رسیدہ اند
زندہ اور متمدن اقوام اپنے ملی جھنڈے کو بلند کرنے اور اپنے وطن کی خودمختاری
و استقلال و استحکام کو اپنا مطمح نظر بناتے ہیں۔ حالیہ جنگ عظیم کا مقصد اعظم وزرائے انگلستان

ذرائع واحر حکہ کی بنا انکے مطابق "کھر ورتوموں کی حمایت اور انکے ممالک کی حفاظت" تھا اور بس۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جسطرح افراد کی غلامی قابل نفرت اور ذلیل چیز ہے (اس کو مٹانے میں علمبردار حریت انگلستان سب سے پیش پیش اپنے کو ظاہر کر رہا ہے) اسی طرح قوموں کی غلامی اور محکومی بھی قابل لعنت اور لائق حقارت چیز ہے۔ کامل خود مختاری ہر حکومت کا فطرتی حق ہے۔ یہ نفیس، عزیز، قیمتی تحفہ (کامل خود مختاری) دیا نہیں جاتا بلکہ قوم کی مسلسل جد وجہد اور انتھک کوشش سے لیا جاتا ہے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے کہ زندگی کی اعلا ترین چیزیں ملتی نہیں حاصل کیجاتی ہیں غلامی کی لعنت محکومی کے طوق استبداد کی زنجیر کو افرادِ قوم کی عملیت انکے اصلی جذبات اور حقیقی احساسات توڑ دیتے ہیں۔ ؎

نظر کیفی، دلِ سرشار پیدا کر   جو پیدا کر سکے یہ حال صہبا بار پیدا کر

آئرلینڈ، مصر، عراق، شام، چین، اسی مقدس مہم کو سر کرنے کیلئے میدانِ عملیت میں گامزن اور محکوم و غلام اور بے حس اقوام کے سامنے ایک شاہراہ عمل اور ایک طریق کار پیش کر رہے ہیں۔

آج محکوم اور غلام ہندوستان کے پیش نظر مکمل خود مختاری کا لائحہ عمل ہے ہر صوبہ اور ہر ضلع میں اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ہندو سبھا، نوجوان سبھا، سنگٹھن سبھا، بھارت سبھا، سوراج اور کانگریس سبھائی انجمنیں اور ذیلی انجمنیں قائم اور برسر عمل اور رد عمل میں سب کا مطمح نظر ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری ہے۔ ....

ذرائع حصول

؎ کاروان رفت و تو در خواب و بیابان درپیش   وہ کہ بس بیخبر از غلغل بانگ جرسی

قوتِ اعلا اور مرکز اصلی سے مربوط ہو کر ملی تعمیر، متحدہ قومیت کی آبیاری اور جماعتی قوت کا پیدا کرنا ہمارے مطمح نظر کے حصول کے ذرائع ہیں۔

قرآن شریف میں اس کے متعلق چار حکم دئے گئے ہیں:-

(۱) مشورہ (وشاورھم فی الامر) مشورت ہتھم بالشان چیز ہے اسکو نہایت اہمیت دی گئی ہے

(۲) معدلت (ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان) بغیر انصاف اور عدل گستری

کوئی قوم حقیقی ترقی نہیں کر سکتی۔

(۳) **اتفاق** (واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا) ملی تعمیر ترقی کیلئے اتحاد و اتفاق لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ قوم کی زندگی کیلئے مذہبیت، قومی اتحاد اور قومیت کا احساس بہت ضروری ہیں۔ قومیت اور مذہبیت کا جذبہ جبتک قرار رہے اسوقت تک قوم میں زندگی کی روح تازہ رہتی ہے۔ جب یہ جذبہ کمزور ہو جاتا ہے تو قوم میں کمزوری آ جاتی ہے اور اس جذبے کے مٹ جانے سے قوم مردہ ہو جاتی ہے۔ جب ملک متحد اور محبت و اخوت اور ہمدردی کی زبردست رشتوں سے مرتبط ہو جائیگا تو وہ دن دور نہیں کہ ہم اسکو ترقی حقیقی مرفہ الحالی اور مکمل خود مختاری سے سربلند و شادکام دیکھیں۔ اہل ملک کے دماغ میں بذریعہ تحریر و تقریر ملکی خود مختاری کی امنگ مستحکم اور مستقل طور پر جاگزیں کرا دینی چاہئے۔

(۴) **قوت** (واعدوا لھم الایہ) مسلمات سے ہے کہ قومی قوت اور ملی طاقت ترقی کا زینہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "المومن القوی خیر و احب الی اللہ من المومن الضعیف" یعنی قوی مومن بہتر ہوتا ہے اور خدا کو ضعیف مومن سے زیادہ پسند ہوتا ہے۔ افراد کی مضبوطی سے قوم کی مضبوطی ہوتی ہے۔ قوم کی عظمت اور ملک کی شوکت افراد ہی کی حالت سے وابستہ ہے۔

حکومتوں کے معاہدے اور عہود و مواثیق کی پابندی اور ایفائے وعدہ سب کچھ اسی پر منحصر ہیں۔ طاقت کے سامنے مخالف و موافق سب سر جھکاتے ہیں۔ قومیں قوت کی سہارے اٹھتی ہیں، قوت ہی سے بڑھتی ہیں اور قوت ہی سے زندہ رہتی ہیں۔

ہمارے سامنے ترکی، جاپان اور افغانستان کی مثالیں موجود ہیں۔ کوشش، جد و جہد، قربانی اور ایثار کے بغیر کوئی قوم باعظمت نہیں بن سکتی۔ حکمائے عرب کا مقولہ ہے کہ "العقل السلیم فی الجسم السلیم" عقل سلیم تندرست جسم ہی میں ہوتی ہے۔
[illegible] سمتھ لکھتا ہے کہ زندگی کے تمام بیماری اخراجات اور کامیابیاں [illegible] Smith;

ہمیشہ تندرست، تنومند اور قوی اشخاص ہی حاصل کرتے ہیں۔"

ہارسٹن لکھتا ہے کہ "اعلا درجے کی پائیدار خصلت اور کردار کیساتھ جسمانی مضبوطی کا ہونا بھی لازمی ہے۔ وہ لوگ جو اپنی خصلت کی پائداری اور مضبوطی کی لئے مشہور تھے عموماً طاقتور اور صحت کے اچھے تھے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جسیم اور قوی انسان کا رعب و داب زیادہ ہوتا ہے"

ہربرٹ اسپنسر لکھتا ہے کہ کسی قوم کی اعلا ترقی حاصل کرنیکی پہلی شرط یہی ہے کہ اس قوم کے اشخاص اعلا درجے کے حیوان بھی ہوں" (کتاب ایجوکیشن از اسپنسر)

ہارسٹن لکھتا ہے کہ "اقبال مند بننے کے لئے یقین دماغی قوت کو ترقی دینی لازم ہے اور دماغی نشوونما میں سوائے تندرستی جسم کے اور کسی چیز سے زیادہ مدد نہیں ملسکتی آجکل کے تنازع بقائے (Struggle for Existence) میں وہی لوگ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جو اپنے جسموں کو اچھی حالت میں رکھتے ہیں۔"

جنرل فون برن ہارڈی اپنی بےنظیر کتاب "جرمنی اور آئندہ جنگ" میں قومی تعمیر کے متعلق لکھتا ہے کہ۔ "حال میں ان نوجوانوں کیلئے جنکی عمر اسکول میں پڑھنے کی نہیں ہے مفید صحت ورزشوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ وہ اپنا خالی وقت اسمیں گذارتے ہیں۔ مدرسوں اور کلبوں کی ورزشی تعلیم سے جسمانی ترقی پر مفید اثر ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ ان جگہوں سے عام ورزش اور فن سپاہ گری کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔" (صفحہ ۲۵۶)

ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ "ہماری وقت میں تلوار کا زمانہ شروع ہوگیا ہے اور جو کوئی کمزور ہے اسکا نیست و نابود ہونا لازمی ہے"۔ (تمدن عرب صفحہ ۲۳)

مذکورہ بالا چند مختصر اقتباسات سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ آجکل زندہ اقوام فزیکل سائنس اور فن سپاہ گری کو از حد زیادہ اہمیت دیرہے ہیں کہ صحت جسمانی تندرستی بدنی نشوونمائے دل و دماغ اور حقیقی ترقی کے لئے یہ نہایت ضروری ہیں۔ ؎

ورزش سے خون بڑھتا ہے جسم نحیف میں   رہتا نہیں خرابی ہو خون لطیف میں

تعلیم علم ہوتی ہے جس طرح صبح و شام — تعلیم جسم کا بھی مناسب ہے اہتمام

ورزش سے دل کو انس و تمنا اگر رہے — پر جسم کبھی نہ صورت پیر عمر رہے

دل شیر آدمی کا ہو رستم پہ ڈر رہے — دنگل خوشی کا پیش نظر عمر بھر رہے

پھٹکے نہ پاس ضعف مرض کی نہ کچھ چلے — چھٹیں سبھی الم کے ہمیشہ امن تلے

(مخزن حکمت صفحہ ۱۷۰)

ہز ہائنس مہاراج میسور نے ۵ جنوری ۱۹۲۹ء کی ایجوکیشنل کانفرنس میں کہا:

"آپ لوگ اب تک طالب علم کی دماغ کیساتھ مصروف رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ انکی جسمانی تعلیم کیطرف متوجہ ہوں۔ انکو ایک اسپورٹس مین اور ایک سچا اسکاوٹ کا پیرو بنائیں۔ اگر آپ جسمانی تعلیم کو دماغی تعلیم کے ساتھ ملا دیں تو آپ ایک مکمل آدمی بنا سکیں گے"

خاتمہ: یورپ کی ذرائع ترقی پانچ امور پر مبنی ہیں (۱) تربیت (۲) تعلیم (۳) تجارت و حرفت (۴) تبلیغ (۵) تنظیم۔ ہم مختص بالمکان اور مختص بالزمان امور کو ملحوظ رکھ کر ترمیم کے ساتھ ان اصول پنجگانہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

یہاں چند خاص امور لکھے جاتے ہیں جو قومی ترقی اور اصلاح کیلئے بہت ضروری ہیں۔

(۱) دل کے قوی، ہمت کے بلند، ارادے کے پختہ، محنتی، مضبوط اور راستباز ہوں۔

(۲) شجاعت، بہادری اور عزم و ہمت کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کریں۔

(۳) ریاضت طلبی، عیش پسندی اور کاہلی سے دور، سادہ لباسی، سادہ خوراکی اور کفایت شعاری کے عادی بنیں۔

(۴) ضروریات زندگی کو محدود کریں۔

(۵) ہر گھڑی ملت اور بادشاہ کیلئے جان و مال قربان کر دینے کیلئے ہمیشہ تیار رہیں۔

(۶) خداوند تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی نہ ڈریں۔

(۷) ایثار کریں، خود جفا برداشت کر کے دوسروں کو راحت پہنچائیں۔

(۸) اپنا نصب العین معین کر کے ہمیشہ تن من دھن سے اسکے حصول کی کوشش میں منہمک رہیں۔ فقط

م۔غ

تعمیر مملکت میں کشافوں کا حصہ

(مولوی علی رضا صاحب بی اے (عثمانیہ) مددگار ناظم ہائے اسکاوٹ)

ہر مملکت میں اس قسم کے مسئلے پیش ہوا کرتے ہیں کہ شہریوں کے مالی یا ذاتی حقوق کیا ہیں لیکن یہ امر ظاہر ہے کہ کسی سوسائٹی کا حقیقی مقصد (اور سوسائٹی سے مراد حکومت ہے) یہ نہیں ہے کہ صرف جان و مال کی حفاظت ہو جائے بلکہ انسانیت کی ارتقا بھی حاصل ہو۔ اگر اس صورت پر سوسائٹی کی بنیاد قائم کی جائے تو ہر وہ کاروبار جس سے سوسائٹی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس کو ذلیل کرتا ہو ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کا وجود باقی رکھا جائے اور قانوناً اس کو بند کر دینا سوسائٹی کا فرض ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قماربازی قانوناً اکثر ممالک میں جرم قرار دی گئی ہے۔ بعض ایسے ممالک بھی ہیں جہاں لاٹری، اور شراب خواری بھی قانونی جرم شمار کی گئی ہے اسی اصول کے ماتحت ان ممالک میں جہاں اسلام نے اپنا قانون جہانبانی جاری کیا علاوہ دیگر ممنوعات کے شراب خواری، زنا، سود وغیرہ کو بھی قانوناً ممنوع ٹھہرایا کیونکہ ان چیزوں کی وجہ سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے اور

ارتقائے انسانی کے عوض اسفل السافلین کو پہنچ جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت
ہر شہری کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ معلوم کرے کہ وہ کونسے ایسے کاروبار
دھندے طریقے اور رسوم ہیں جو اپنے شہر گاؤں یا قصبے میں جاری ہیں جو
سوسائٹی کے جسم میں مہلک جراثیم کا کام کر رہے ہیں اور ان کے سدباب کے
کے لئے کیا علاج کرنا چاہیے۔ اگر غور سے سوسائٹی کا مطالعہ کیا جائے تو
ظاہر ہوگا کہ بہت سے ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے محض اپنی ذاتی
غرض یا مفاد کو ملحوظ رکھ کر ایسے کاروبار اختیار کر رکھے ہیں جو سوسائٹی کیلئے
زہر ہلاہل سے زیادہ خطرناک ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مملکت کی تعمیر و ترقی میں
حارج اور ارتقائے انسانی کے دشمن ہیں۔ اور ان کا استیصال ہی سوسائٹی
یا مملکت کے حق میں مفید ہے۔

ہر شہر یا گاؤں میں چاہے تھوڑی بہت ہی اہمیت رکھتا ہو ایسے
افراد ضرور موجود ہوتے ہیں جو سوسائٹی کی بھلائی کے خواہاں اور اس کی ترقی
میں کوشاں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا عزیز وقت اور مال انسانیت کی نذر
کر دیتے ہیں تاکہ دنیا خوشی سے بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ یہ ہمدردی انسانیت
کا جذبہ ریا اور ظاہرداری سے پاک حقیقی دل کا جذبہ ہوتا ہے اور یہ وہی
جذبہ ہے جسے کشافہ نے "روزانہ بھلائی" کے نام سے کشافوں میں بطور
طبیعت ثانی کے پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

روزانہ کسی نہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کی رسم سماج یا سوسائٹی
کی اصلاح میں بے حد مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے اصلاحی کاموں کی
ابتدا ہمیشہ بہت ہی چھوٹے پیمانے پر ہوا کی اور انہیں چھوٹی چھوٹی انفرادی
بھلائیوں سے بڑے بڑے اصلاحی کام ظہور پذیر ہوئے۔

ہمارے شہر گاؤں یا قصبات میں جہاں ہم سکونت پذیر ہیں بہت سے ایسے صحت کے مسئلے ہوتے ہیں جو کشافوں کی امداد اور توجہ کے محتاج ہیں۔ مثلاً گلی کوچوں کی حالت اکثر اصلاح طلب رہتی ہے۔ صفائی کا بہت کم خیال رکھا جاتا ہے اور بعض ایسے مخدوش اشیا راستے پر پھینک دیے جاتے ہیں جو راہ گیروں کے لئے خطرناک ہوتے ہیں۔ گھروں کی غلاظت سڑک پر ڈال دی جاتی ہے جو ہوا سے پھیل کر بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ اگرچہ شہر میں اس کی نگرانی کے لئے میونسپلٹی (محکمہ صفائی یا بلدیہ) ہوتی ہے لیکن ہر عمدہ شہری کا بھی یہ اصول ہونا چاہیے کہ کم از کم اپنے محلے میں حفظان صحت کا کافی انتظام رکھے۔

چونکہ شہری زندگی کی مصروفیات میں جان و مال اور حقوق انسانی کے تلف ہونے کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے اس لئے اس کی نگرانی کیلئے پولیس بھی مقرر ہوتی ہے۔ ان کی امداد کرنی اور ان کے فرائض کی انجام دہی میں سہولتیں پیدا کرنی ہر عمدہ شہری کا فریضہ ہے۔ کشافوں کی مستعدی اور "روزانہ بھلائی" کی عادت یہاں بھی ایک مفید نتیجہ برآمد کر سکتی ہے۔

صحت جیسی نعمت دنیا میں کوئی نہیں اس کی بقا کے لئے اچھی غذا میسر ہونی چاہیے۔ اور شہروں میں اس کی بہت کم امید ہے۔ شہروں کے مارکٹ بہت گندہ اور غلاظتوں سے لبریز ہوا کرتے ہیں۔ وہیں سے ہماری اکل و شرب کی چیزیں آتی ہیں اور وہی بیماریوں کے پھیلانے میں بڑی حد تک موئید ہیں جس کی وجہ سے قومی صحت پر بڑا اثر پڑتا ہے کشافوں کو "روزانہ بھلائی" کے لئے یہاں بھی ایک وسیع میدان عمل ہے۔

متعدی امراض جیسے ملیریا، ہیضہ، طاعون، چیچک وغیرہ بھی قومی خوش حالی کے لئے نہایت تباہ کن ہیں ان امراض کی بیخ کنی اسی وقت ممکن ہے جب ان کے اصلی اسباب سے واقف ہو کر ان اسباب کے پیدا ہونے کے امکانات کو دور کیا جائے۔ اور جب تک واقفکاروں کی ایک بڑی جماعت اس کام کے لئے تیار نہ ہو کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ کشاف یہاں بھی مملکت کی بڑی اہم خدمت انجام دے سکتے ہیں اور اپنے "روزانہ بھلائی" کے جذبات سے ملک کو حقیقی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

"کشاف" "قابل بھروسہ" ہونے کی وجہ سے خود بھی قانون کی اطاعت کرتا اور دوسروں کو بھی اس کی خلاف ورزی سے روکتا ہے۔ قانون کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ ملک میں آزادی حقوق کے ساتھ امن قائم رہے تاکہ ملک سرسبز اور خوش حال ہو۔ علوم وفنون میں ترقی ہو۔ ملک میں خودداری اور بیدار مغزی پیدا ہو اور آزاد قوموں کے ان تمدنی برکات کو جن سے غلام قومیں محروم رہتے ہیں حاصل کرنے کی اوالعزمی اور حوصلے پیدا ہوں۔

مسٹر بالڈوین سابق وزیر اعظم برطانیہ نے نوجوانان قوم کو صحیح مشورہ دیا کہ "فرائض انجام دو، حقوق خود بخود مل جائیں گے"۔ انتھیٰ

قومی تمدن کی پائداری کا معیار

(پرنسپال چارلس تھوائنگ)

مشہور انگریزی سہ ماہی رسالے (Hibbert Journal) کی ایک حالیہ اشاعت میں پرنسپال چارلس فرانک لین تھوائنگ (C. F. Thwing) نے مندرجہ عنوان موضوع پر ایک قابل غور مقالہ تحریر کیا ہے۔ پہلے حصے میں وہ اُمور ہیں جو ان کی رائے میں معیار بن سکتے ہیں۔ دوسرے حصے میں انھیں اُمور کے ساتھ حالیہ امریکہ کو منطبق کرنے کی کوشش کر کے یہ بتایا گیا کہ آیا امریکی تمدن پائدار ہے یا نہیں۔ حصہ اوّل کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے اب ہر شخص خود اندازہ کرے کہ ہم اس معیار کے لحاظ سے کس زمرے میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں .... م ح ا (مترجم)

(۱) پہلا معیار جو کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے وہ اپنے ماضی کی قدر (د تعریف کوئی ہے) ماضی میں صدیاں بھی ہو سکتی ہیں، دس بیس سال بھی ہو سکتے ہیں لیکن ماضی طویل ہو یا مختصر، اگر قوم اسے بھول جائے تو ساتھ ہی لازمی طور پر ماضی کے اسباب قوا (Forces) حالات اور

نتائج کو بھی محو کر دیتا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ قوم خود اپنی دولت کی قدر نہیں کرتی۔ اگر کوئی قوم تاریخ کے فیصلہ گاہ میں خالی ہاتھ تہی دامن اور بے بضاعت ہوتی ہے تو اسے بربری اور وحشی بھی کہیں تو مہذب تو کبھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ اس بات کو بھلا دیں ہوتی ہے جو ارسطو نے سکندر سے کہی تھی کہ ایک یونانی اور ایک بربریت پسند (یعنی غیر یونانی) کا فرق ضرور ملحوظ رکھو۔ سرمائے کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ ماضی کے اندوختوں کا نتیجہ ہے۔ بغیر سرمائے کے تجارت ناممکن ہے۔ اسی طرح تمدن بھی کم از کم جزواً اور ایک حد تک ہی سہی ان نتائج کی قدر کرنے پر منحصر ہے جو کسی قوم نے زمانہ ماضی میں حاصل کیے۔ بے شبہ قانونِ تناسب کا لحاظ ضرور رکھنا پڑتا ہے۔ اجداد پرستی موجودہ کامیابیوں کو محدود مقید کر دیتی ہے۔ چین میں قبرستان ایک مذہبی یا قربان گاہ یا مقدس مقام سمجھے جاتے ہیں لیکن ان سے بہت کم قوت حاصل ہو سکتی ہے۔ چین کے بالکل برعکس یونان ہے۔ اگر یونان اپنے اولیمپیا، اپنے ڈیلفی، اپنے مراتھن (Marathon) کی تمنا نہ کرے تو موجودہ یونان میں رکھا ہی کیا رہتا ہے۔

(۲) پائدار تمدن کا دوسرا معیار اس طاقت اور قابلیت پر مشتمل ہے جس سے ادارے قائم کیے جاتے ہیں اور ان کو باقی رکھا جاتا ہے۔ ادارہ، انسانی قوتوں کے تعاون اور عملیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ شخصی قوتیں ان قوتوں کے اقتدار کی نمائندگی کرتی ہیں جو غیر شخصی ہوتی ہیں۔ انسانیت گویا ایک بڑا دریا ہے جس میں بہت سے میدانوں اور ڈھلوانوں کا پانی مل کر اس کی طاقت کو بڑھاتا ہے اور وہ زیادہ دور تک بہ کر جامع الکل بہ سمندر میں اپنے آپ کو خالی کر دیتا ہے۔ انسانی

پیدا ہوتے ہیں، کچھ عرصے تک کم یا زیادہ تعلقات کے ساتھ زندہ رہتے ہیں
اور آخرکار سب کے سب قبر میں پہنچ جاتے ہیں۔ دریا شروع میں کچھ نہ تھا اور آخر
تک بھی کچھ نہیں رہتا۔ لیکن اس کے گزرگاہ کے کناروں پر بڑے بڑے
شہر آباد ہوتے ہیں اور وہ اس کے پانی سے قوتیں حاصل کرکے انسانوں
کی مدد کرتے ہیں اور دیگر کثیر ضرورتوں اور کارکردگیوں میں فائدہ اٹھاتے
ہیں۔ یہ شہر، یہ مکانات اور یہ کارکردگیاں بھی پائیدار ادارت
کی نمائندگی کرتی ہیں اور وہ ایسے مستقل ادارے ہیں جہاں انسانی
کمالات حاصل ہوتے، باقی رہتے اور پیدا کیے جاتے ہیں۔ کلیات
اور جامعات ایسے ہی ادارے ہیں کیونکہ ان کے بغیر علم کی مشعل گر کر
بجھ جائے گی۔ بنک ایسے ہی ادارے ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہیں
انسانی محنتوں کے مادی نتائج جمع کیے جاتے ہیں اور یہی بنک ان کو
محفوظ کرکے آئندہ نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔ نفر مرجاتا ہے لیکن وہ اثر
یا دوسرے الفاظ میں وہ ادارہ جسے مختلف نفروں نے تیار کیا تھا باقی رہتا
ہے۔ جو نفر مرجاتا ہے اثر رہ جاتا ہے۔ حکومت ملک بھی ایسا ہی ادارہ
ہے کیونکہ وہ ایک عادلی اور باقاعدہ کارروائی کی نمائندگی کرتی ہے
جس کے ذریعے اور جس کے تحت لوگ باامن، خوشحال، مطمئن، اور
خوش رہتے ہیں۔ حکومت ملک برخاست ہوجائے تو سراج قائم ہوجاتا
ہے کیونکہ سراج کے معنے صرف یہی نہیں ہیں کہ لاحکومتی ہو بلکہ تصادم،
تباہی، اور فنا بھی اس کا لازمہ ہیں۔ پندرہ سو سال سے مغربی تمدن
محفوظ ہے (گو بعض ایسے وقت بھی گزرے ہیں جس میں نجات غیر یقینی
اور بیکار نظر آتی تھی) اور اس حفاظت کے ذمہ دار صرف تین ادارے ہیں:۔

حکومت، مذہبیت اور مدارس۔

(۳) کسی مستقل تمدن کا تیسرا امتیاز قوم میں امداد باہمی کرنے کی قابلیت و قدرت ہے۔ لوگوں میں امداد باہمی کی جتنی زیادہ طاقت ہوگی اتنا ہی ان کا تمدن مستقل ہوگا۔ ہمارے کثیر مقاصد میں سے ہر ایک کے لئے لوگوں کی یکجہتی لازمی ہے۔ کسی کام کو برقرار رکھنا ایک کارفرما عنصر یا قوت ہے جس کے ذریعے سے ادارے قائم ہوتے ہیں اگر انفرادی طور سے ہر شخص تنہا یا الگ رہنا چاہے تو وہ اس کی موت کے مرادف ہے۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی عظیم الشان خطرہ رہتا ہے کہ اس کے اعمال اور اس کی کارگزاریاں بھی اس کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں۔ اگر اور لوگ اس کا ساتھ دیں، یا وہ اوروں کا ساتھ دے اور پھر ان کے جانشین بھی اپنے ساتھ اوروں کو نسلاً بعد نسلٍ ملاتے رہیں تو ایسی یکجہتی ہر قسم کی دولت کے اضافے نمائندہ اور بقا کی ضامن ہوتی ہے، اس سے کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں، تعمیری بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں، شخصی ملاپ کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور انفرادی قابلیتوں کی قدر ہو کر ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

(۴) ایک اہم تر معیار وہ ہے جسے ہم یوروپ کا "اغیار کا لحاظ رکھنا" کہیں گے۔ قوموں کو بھی انفرادی اشخاص کی طرح تخیل کی آنکھ سے دیکھنے اور دوسری قوموں کے احساسی و تخیلی دل و دماغ کو محسوس کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں کم از کم تین باتیں ایسی ہیں جن کا لحاظ رکھنا چاہئے:۔ سب سے پہلے دوسری قوموں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، متحرک یا خاموش رواداری کے

جذبے پر عمل کرنا چاہیے، اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ دوسری قوموں کے حقوق کا لحاظ اور ادب کریں۔ سمجھنا، درگزر کرنا اور فرض پہچاننا اس سہ گانہ معیار کے اجزا ہیں اور حقیقت میں یہی ایک شریف کا معیار ہیں پس کیوں نہ قوم بھی بحیثیت مجموعی ان کو اختیار نہ کرے؟ اور کیوں نہ شریف حکومت (جنٹل اسٹیٹ) کی اصطلاح عام قرار دیدی جائے اور اس سے بھی وہ مفہوم اور معنے لئے جائیں جو شریف آدمی (جنٹل مین) میں ہیں؟ جو قوم اس بات کا دعوا کرتی ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے سب غلطی پر تو اس ادعا کے باعث وہ تمدن کے دائرے سے خارج کر دی جاتی ہے۔ مستقبل کے بسمارک (یعنی ایسے لوگ جو خود حقی کا ادعا کرتے ہیں) آئندہ متمدن مملکتوں کے صدر نہ ہونگے۔ کارروائی دراز ہوا کرتی ہے اور ترقی سست ہوتی ہے لیکن بلوغ یا تکمیل یقینی ہے۔ اس بارے میں اسپین کے سابقہ برتاؤ کا جو نوآبادیات کے ساتھ اس نے ملحوظ رکھا اور اس طرز عمل کا جو برطانیہ نے آخر کار اپنے ماتحت ممالک کے لئے طے کیا، اگر ہم مقابلہ کریں تو یہ معیار موثر طور سے اور خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسپین کا اولین مطالبہ یہ تھا کہ اس کے نوآبادیات اپنی دولت اور دیگر قوتوں سے اسے حصہ دیا کریں۔ حقوق صرف اسپین کو حاصل تھے اور واجبات و فرائض صرف نوآبادیات پر عائد کئے گئے تھے۔ اسی وجہ سے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور اس کے نوآبادیات دونوں معدوم ہو گئے۔ اس کے برخلاف برطانیہ کا مقصد یہ رہا کہ نوآبادیات کو خود ان کی حد تک ترقی دے۔ برطانیہ پر اور نوآبادیات پر دونوں پر فرائض عائد تھے اور دونوں ہی کو حقوق بھی

حاصل تھے۔ اسی وجہ سے برطانیہ کی انتہائی مصیبتوں کے وقت بھی اس کے نو آبادیات نے اس کا ساتھ دیا۔

(۵) میں نے اوپر لکھا ہے کہ ماضی کی قدر و تعظیم ضروری ہے۔ اب اسی کو (یعنی قدر و تعظیم کو) مستقبل کے ساتھ ...... بھی شامل کیجئے۔ ماضی سے اگر ہم ان نتائج کو سمجھ سکتے ہیں جو اب تک حاصل ہوئے ہیں تو مستقبل بالکل نامعلوم نتائج سے متعلق ہے۔ مگر چونکہ قوم کو نامعلوم مستقبل سے دوچار ہونا لازمی ہے، اس لئے اسے یقینیات اور غیر یقینیات دونوں کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ یعنی قوم کو چاہیے کہ اپنے مادی ذرائع کو ترقی دے۔ ان ذرائع میں سے بہت سے ایسے بھی ہونگے جو ایک مرتبہ کام میں لائے جانے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کئے جاسکیں ضرورت ہے کہ نوجوان شہریوں میں وفاداری کو ترقی دی جائے، انھیں بہترین ممکنہ تعلیم دی جائے جو خواہ حکومت کی جانب سے مہیا ہوسکتی ہو یا جس سے خود شہری مستفید ہوتے ہوں۔ ہر قسم کی تعلیم جو ہر طرح اور ہر حیثیت و حالت کے انسانوں کے موافق ہو، رائج کی جانی چاہیے۔ اور نیز اس میں ترقی دینی لازمی ہے۔ جو قوم صرف حال سے سروکار رکھتی ہے اس کا حال اچھا بھی ہوسکتا ہے برا بھی لیکن ایسی قوم کا مستقبل کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔

(۶) اچھا معیار خاندان سے متعلق ہے۔ خاندان کی موجودہ حالت جو متمدن معاشرے یا سوسائٹی میں ہے، اس کے بطور ایک ادارے کے موجودہ صورت میں آنے کے لئے جو کچھ کرنا پڑا اسکی داستان طویل ہے اور مختلف بھی صنفی تعلقات خواہ ابتداً کسی قسم کے ہوں

—— بلا امتیاز مرد وعورت ایک دوسرے کے لئے ہوں، تعدد زوجات ہو، تعدد شوہران ہو —— لیکن اب وحدت ازدواج کو اکثر ملکوں میں ترقی کا تاج تسلیم کیا گیا ہے۔ وحدت ازدواج نسل کی ترقی کا بہترین طریقہ اور مفید ترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں دو ایسے شرکاء کی جو باہم مل کر ایک ہو جاتے ہیں، خوشحالی اور بہبودی مقصود ہوتی ہے اور اس میں اس بات کا سب سے زیادہ یقین رہتا ہے کہ اولاد کی حفاظت اور ترقی عمل میں آئیگی۔ حفاظت میں بچے کا دور بچارگی اور نوجوان کی اخلاقی و ذہنی حالت کی ترقی دونوں شامل ہیں۔ اگر ازدواج میں بوالہوسی اور شہوت کا اثر ہو اور طلاق سے اس کو تباہ کیا جائے تو ایسے تعلقات تمدن کے لئے فی الحقیقت اور فی العلامت ایک دھمکی اور خطرے سے کم نہیں۔ خاندانیت کی برخاستگی یا ازدواج کے انعدام سے لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ نوعی غیر یقینیت یا بے قاعدگی ظہور میں آئے گی۔ دوسرے الفاظ میں معاشری اور انسانی اداروں میں نراج کا دور دورہ ہو جائیگا

(۷) پائدار تمدن کے ساتویں معیار کو منضبط کرنا ذرا مشکل ہے بہر حال منشا یہ ہے کہ حکومت ملک مستحکم اور لچکدار ہو۔ ایسی حکومت کا مقابلہ اگر خود مختاری اور ناقابل تبدیل حکومت سے کریں تو دونوں میں بہت وسیع اور گہرا فرق نظر آئے گا۔ اگر ان دونوں کا مقابلہ نراج (بے حکومتی) سے کریں تو بھی فرق کچھ کم نہیں۔ حکومت مستحکم، خود مختار اور شاہی ہوسکتی ہے جو صرف منتظمہ (۹) (Statical) کہلائے گی مگر اس میں عام طور سے قوائے تمدنیہ کے ترقی کنان اور بلند و اعلا اقسام نہیں پائی جائینگے۔ نراج کو حکومت کہہ ہی نہیں سکتے کیونکہ اس میں معیاروں کا وجود نہیں ہوتا

اور اس کی قوتیں خواہ کم ہوں یا زیادہ، اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ حسب منشا کام انجام پائے۔ لیکن جو حکومت مستحکم، باقاعدہ اور منضبط ہوتی ہے اور ساتھ ہی اس میں تبدل پذیری کی قابلیت پائی جاتی ہے تو اس کے ملکی اقتدار، معیار اور قوتوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ رجعہ دوران تبدیلی ہر سب اجزا کو ملائے رکھنے کا باعث بھی ہوتے ہیں۔ چند خاص دور مستثنا کر دیے جائیں تو ابتدائی سلطنت روما (جمہوری و شاہی دونوں) میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ ایک ہی وقت جامد بھی تھی، جاری بھی، وہ بوقت واحد جمہوری اور شہنشاہی دونوں تھی۔ اس میں منضبط اور متبدل انسانی عناصر کا برابر لحاظ تھا۔ رومائی حکومت کا صدیوں تک قیام محض انہیں عناصر کے وجود کے باعث تھا۔ موجودہ زمانے میں برطانوی شہنشاہت یا برطانوی دولت عامہ میں استحکام اور لچک کا سب سے موثر مظاہرہ ہوتا ہے۔

(۸) آٹھواں معیار وہ احترام ہے جو شہریوں کی زندگی اور صحت کی برقراری کے متعلق کیا جاتا ہے۔ بے شبہ یہ معیار بالکل ظاہر ہے، کیونکہ زندگی تمام انسانی قوتوں اور حالتوں کی اولین ضرورت ہے۔ اگر زندگی لے لی جائے تو تمام تعمیر اور نشوونما، زندگی کی بنیاد کے ہٹتے ہی غائب ہوجاتے ہیں۔ اگر زندگی پر توجہ کی جائے تو اس بات کا یقین رہتا ہے کہ اس (زندگی) کو بنانے والے اداروں اور کارکردگیوں پر بھی مناسب توجہ کی جائے گی۔ بے شبہ ایک اور توجیہ ان قوتوں کے متعلق کی جائے گی جو زندگی کی نشوونما اور حفاظت کرتی ہیں یعنی اجتماعی اور انفرادی صحت۔ اگر کوئی مملکت اپنے رعایا کی صحت کی مدافعت پر

ہر تحرک وساکن ذریعے اور طریقے سے کرتی ہے تو گویا وہ بیماری کی بیخ کنی کرتی ہے طبعی قوت اور دیگر قوتوں کو ترقی دیتی ہے اوسط درجہ کی ٹھہرا زندگی کا دور دراز کرتی ہے صحت کے اصلی باعث یعنی مسرت وخوشحالی کو ترقی دیتی ہے اور ایسے تکالیف کو کم کرتی ہے جو قوت و زور کا خون چوستے ہیں۔ اگر حالت ایسی ہو تو وہ تمدن کے ایک اولین معیار پر پورا اترتا ہے۔

(۹) زندگی وصحت کے معیار کے ساتھ ساتھ جائداد سے متعلق بھی ایک معیار ہے۔ انفرادی جائداد کے ادارے کی اصلیت قبل تاریخی دور کی تاریکیوں میں چھپی ہوئی ہے۔ لیکن خواہ اصلیت کچھ ہی ہو یہ یقینی ہے کہ تمام تاریخی دوروں میں انفرادی جائداد ایک حقیقت کے طور پر پائی جاتی ہے۔ بظاہر میرا اور تیرا ایک قدیم اولین اور بنیادی امتیاز ہے۔ جانوروں میں بھی یہ موجود ہوتا ہے۔ اور وہ اسے کام میں لاتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی بہت جلد اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر اس کو معدوم کرنا چاہیں تو ہر قسم کی مشکلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس مقصد کے لئے کوشش یا اس کا اقدام یقیناً ایک شکست اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ کسی شخص کا قبضہ اس کی جائداد پر ہرگز متعدد قسم کی ذمہ داریوں سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس سے جو فرائض عائد ہوتے ہیں حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ جو قوتیں کام کرتی ہیں یا وہ عظیم الشان ہیں جو بسا اوقات عوجی[1] (Colossal) ہوتی ہیں۔

---

[1]: عوج بن عوق کے مانند طویل جسیم۔

اس میں جو خطرات ہوتے ہیں وہ کچھ چھپے ہوئے نہیں۔ جائداد کے
حاصل کرنے، گرفت میں برقرار رکھنے اور کھونے میں جو جذبات پیدا
ہوتے ہیں وہ عظیم اہمیت رکھتے ہیں۔ تاہم بے شبہ جائداد تمدن کا
نتیجہ ہے۔ وحشیوں میں بھی اس کا خیال چھوٹے پیمانے پر ضرور ہوتا
ہے۔ تمدن کے نتیجے کے طور پر وہ ایک ایسا معیار ہو گیا ہے جس سے
تمدن کی جانچ کی جا سکتی ہے۔

(۱۰) ایک مزید حاوی اور اصولی معیار، مستقل تمدن
کو جانچنے کا یہ ہے کہ انسان کے دماغ کی طرف توجہ
کی جائے۔ اس سے بڑھ کر وسیع اور گہرا معیار کیا ہو سکتا ہے بعید
ترین معنے اور مفہوم میں کیا وہ دماغ ہی نہیں ہے جو تمام ترقی کنندہ
کارکردگی کا نتیجہ اور پائدار انسانی قوتوں کا سرتاج ہے؟ کیا یہ صحیح
نہیں کہ اس کے خیالات اعلا ترین، اس کا استدلال سب سے
زیادہ دقیق اور عمیق، اس کے رجحانات نبیل ترین، اس کے تخیلات
نہایت بلند پرواز، اس کی پیداوار سب سے زیادہ خدائی و مقدس
اور اس کے معلومات زمان و مکان میں سب سے بڑھ کر حاوی و
محیط ہیں؟ اور اسی بنا پر کیا یہ صحیح نہیں کہ تمدن (جس کا اصلی خزانہ
نسل کے برتر دماغوں ہی میں محفوظ رہتا ہے) اسی دماغ کے ذریعے
بہترین، پائدار اور بلند ثابت ہوتا ہے؟ یہ تمدن اپنے آپ کا
متعدد اور مختلف طریقوں سے مظاہرہ کر سکتا ہے۔ دماغ اپنے آپ کو
"جمیل" چیز کی پیدائش میں ظاہر کر سکتا ہے اور کرے گا۔ وہ اپنی
نمائش تعمیرات میں کرتا ہے اور قرون متوسطہ کے

عذرا[1] (Parthenon) گرجے بناتا ہے۔ وہ اپنا مظاہر تصویر
میں کرتا ہے اور زہرہ[2] (Venus of Milio) اور مرمرین ہرمز[3] کا شہ کارہ
دریافت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ادبیات میں نمایاں کرتا ہے وہ نظموں
میں چھپاتا ہے مساعی علمیہ میں ترجمانی کرتا ہے اور تاریخ میں درس
دیتا ہے۔ وہ فطرت میں گھس کر باری تعالیٰ کے خیالات کو معلوم کرتا ہے،
ستاروں کا وزن کرتا ہے حدِ بصر سے پرے سیاروں کی تصویریں کھینچتا
ہے عوالم (جمع عالم) کے قوانین کی ترجمانی کرتا ہے اور ایک ایک
قطرۂ آب میں ایک مکمل عالم کا مشاہدہ کرتا ہے :- دوربین اور خوردبین
دماغ! آہ کیا غیر محدود علم ہے! دماغ انسانی اور تمدن انسانی بہترین
ایک عظیم ترین معیار رہا یا جاتا ہے۔

(۱۱) انسانی دماغ کو منظم کرنے کا ذریعہ یعنی تعلیم بھی ایک معیار
ہے۔ کیا فلاں قوم تعلیم یافتہ ہے؟ کیا وہ تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کرتی
اور اس پر وفادارانہ عمل کرتی ہے؟ کیا وہ نوجوانوں کی تعلیم کو جنگ
اور جنگ کے فتوحات پر ترجیح دیتی ہے؟ ایک سیاسی گروہ کی حیثیت
سے کیا وہ ایسے بہترین ذرائع کو ترقی دیتی ہے جس سے مدارس کلیات
اور جامعات کا انتظام خاطر خواہ ہو؟ کیا وہ اپنی آمدنی میں سے تعلیم
کے کثیر اداروں اور وسیع کارکردگیوں کو امداد و عطیات دیتی ہے؟
کیا وہ اپنا اندازہ اپنے نوجوانوں پر کرتی ہے ——— کیونکہ نوجوان ہی
تعلیم کے میدان اور حالات کی نمائندگی کرتے ہیں ——— ؟ کیا وہ تعلیم

---

[1] جس میں مختلف جنسوں کی آمیزش نہ ہو۔ [2] جمال کی دیوی۔ [3] علم و فصاحت کا دیوتا۔

جو قوم مہیا کرتی ہے، اصلی مخلصانہ، اصولی تنظیمی، اور تخلیقی ہے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب اثبات میں دیا جائے تو وہ قوم اس شعبے کی حد تک متمدن ہوگی۔

(۱۲) مگر ایک اس سے بھی بڑا معیارِ تمدن ہے۔ یہ "معلوم" نہیں بلکہ "نامعلوم" کے امتحان کے متعلق ہے:۔ انسانی دماغ سے انسانی دماغ کے متعلق نہیں بلکہ خدا کی "ذات" کے متعلق۔ یہ معیار اس رجحان میں پایا جاتا ہے جو انسان اپنے غیر محدود پروردگار کے متعلق رکھتا ہے۔ میں "خدائے غیر محدود پروردگار" کے الفاظ متشخص مفہوم میں لیتا ہوں اگر کوئی شخص "خدا اور غیر محدود پروردگار" لکھنا پسند کرے تو بھی میری دلیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ میری مراد اس سے وہ ذات ہے جو بے نیاز، ازلی و ابدی، قائم بالذات، غیر معلوم اور معلوم سے پرے غیر معلوم ہو۔ یہ معیار متشخص و غیر متشخص دونوں کے متعلق ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان کا طرزِ عمل اس ذات کے متعلق کس قسم کا ہو؟ ممکن ہے بے پروائی کا ہو؛ ممکن ہے مقابلے اور تحقیر کا ہو، ممکن ہے تعظیم، طاعت اور عبادت کا ہو۔ جو لوگ عادۃً بے پروا ہوتے ہیں وہ فرض ناشناس، سنگدل اور سخت دماغ ہوتے ہیں۔ تحقیر اور مقابلہ کرنے والوں کا انجام حزنیہ ہوگا۔ تعظیم، طاعت اور عبادت کا رجحان رکھنے والے، ہر معیار پر جانچے جانے اور غیر محدود عدل کے ترازو میں صحت اور انصاف سے اندازہ کئے جانے پر، بلند خیال، گہرے جذبات والے، نبیل ترین اور بہترین ثابت ہوتے ہیں۔

غرض یہ وہ چند معیار ہیں جن پر تمدن کی پائداری جانچی جا سکتی ہے۔

ان میں سے ہر معیار کی میرے نزدیک کچھ نہ کچھ قیمت ضرور ہے۔ خواہ ان کی قیمتیں آپس میں مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض زیادہ اور بعض کم قیمت رکھتے ہیں۔ بعض زیادہ بنیادی و اصولی ہیں تو بعض کم۔ بے شبہ بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور بھی معیار ہیں جو مذکورہ بالا ہی کی طرح بنیادی ہیں۔ مثلاً محنت زیادہ کر سکنے کی قابلیت، نزہمت سے افراد کا استفادہ کرنا، نیز بعض کہہ سکتے ہیں کہ صفاتِ حسنہ[1]۔ ایسے معیار یقیناً قیمتی ہیں اور شاید مذکورہ بالا بارہ معیاروں میں ضمناً پائے جاتے ہیں جو میں نے گنائے ہیں۔

ترجمہ

محمد حمید اللہ

(ہمارے خیال میں یہ معیار ناگزیر ہے کہ "قوم میں اپنی آپ مدافعت کرنے کی کتنی قابلیت ہے" ایک مشہور کاتب عصری لکھتا ہے کہ "دنیا میں آج کونسی قوم ہے جس میں اپنی حفاظت اور مدافعت ہو اور اس کے باوجود وہ غلام نہ رہے۔ ماتحت قومیں بھی آزادی حاصل کرتی ہیں تو اسی مدافعت کی قابلیت میں ترقی اور اضافہ کر کے۔ لیکن سب سے اہم یہ امر ہے کہ ترقی کی لیک ہر وقت ہر شخص کے پیش نظر ہو" مدیر)

---

[1] سات سمجھے جاتے ہیں: عدل، احتیاط، اعتدال، ہمت، ایمان، امید، خیرات، (دیکھو آکسفورڈ ڈکشنری)

اسکاؤٹنگ اور تعلیم

(مولوی علی حسن رضا صاحب بی۔اے عثمانیہ مددگار ناظم اسکاؤٹنگ سرکار عالی)

تعلیم کا منشا تعلیم کا اصل منشا ملک کے ہونہاروں میں عمدہ شہری زندگی کے اوصاف کا پیدا کرنا ہے۔ ایک عمدہ شہری صحیح ہی شخص کہلانے کا مستحق ہے جس میں خدا ترسی، فرض شناسی، ہمجنسوں کے ساتھ خیر خواہی، کفایت شعاری اور وفاداری کے احساسات ہوں۔ جس میں عمدہ صحت اور قوت برداشت ہو اور جس میں شریفانہ روزی کمانے کا فہم وسلیقہ ہو تاکہ وہ نہ صرف قومی دولت میں اضافہ کرسکے بلکہ بلالحاظ اپنی مالی یا سماجی حالت کے وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کے مفاد کی ہر وقت نگہداشت کرسکے اور قومی خدمت کے لئے ہمیشہ مستعد رہے۔

کیا آج کل کے مدارس، کلیات اور جامعات اس منشائے تعلیم کو پورا کر رہے ہیں؟ کیا ان کی سرزمین میں ایسے افراد کی مردم خیزی ہورہی

ہے جن میں عمدہ شہریت کی صلاحیت ہے؟ زمانے کی شہادت ہے کہ نہیں! اور اسی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم سر توڑ کوششوں میں اس وقت منہمک ہیں کہ مدارس کے مروجہ طریق تعلیم اور نصاب تعلیم میں ایک موزوں انقلاب پیدا کریں۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر مدارس کی تعلیم میں وہ کیا کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہمارا انسان نامکمل اور ہمارا اصلی مقصد مفقود ہو رہا ہے

موجودہ تعلیم کی خامیاں

سب سے پہلے مدارس میں کتابی معلومات پر زور دیا جاتا ہے۔ کتابیں رٹ لینے اور امتحان کے ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں ہمارے وقت کا بیشتر حصہ خرچ ہو جاتا ہے نہ سیرت نہ اخلاق کی تعدیل نہ تہذیب کا موقعہ نہ کارآمد فنون و دستکاریوں کی طرف توجہ! نہ صحت جسمانی کا خیال نہ قوائے دماغ کی تربیت نہ ترقی کی گنجائش! نہ حب قومی اور وطن دوستی کی تلقین اور نہ قومی خدمت اور بے غرض جفاکشی و ہمدردی کی عادت۔ غرض ان مدارس میں جا کر آدمی کسی خاص علم یا فن میں ماہر تو ہو سکتا ہے لیکن ایک عمدہ شہری کے اوصاف حاصل نہیں کر سکتا۔

موجودہ خامیوں کی اصلاح و علاج

ایک طرف ماہرین تعلیم اس خامی کا احساس کرتے ہوئے نئے نئے طریق اور مسلک ایجاد اور تجویز کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف مدارس کی تنظیم اور اس کی موجودہ حالت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک نیا انتظام اوقات مدرسہ کے باہر تجویز کیا گیا ہے جس کا نام اسکاوٹنگ یا کشافہ ہے اور گو اس کو جاری ہوئے ہیں ہی

سال گزرے ہیں لیکن تمام دنیا کی متمدن قومیں اس کو اختیار کر چکی ہیں کیونکہ اس میں ایک حد تک اُن خامیوں کے دور ہونے کی امید پیدا ہو رہی ہے جو مدارس کی تعلیم میں موجود ہیں۔

سیرت کی ترتیب قابل بھروسہ پن (آنر) ذمہ داری، خود اعتمادی اور قیادت کے ذریعے بتدریج سیرت کی تربیت کی جاتی ہے۔ اس تربیت کی بنیاد وہ اخلاقی قوانین ہیں جو کل مذاہب کی روح رواں ہیں اور جن کو "اسکاوٹ لا" میں جمع کر دیا گیا ہے۔ سزا کے خوف یا انعام کے لالچ میں ان پر عمل کرنا سکھایا نہیں جاتا بلکہ اسکاوٹ ماسٹر کا نمونۂ عمل اور اخوت آمیز مشفقانہ سلوک لڑکے میں خود یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ستودہ اخلاق اور عمل کی باقاعدگی اپنے اور اپنے رفقائے کار کے اطمینان اور خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ گروہی تنظیم (PATROL SYSTEM) کے ذریعے قیادت کی عادات اور قوائے ابتدا کاری و عمل کی تربیت و ترقی ہوتی ہے اور "کورٹ آف آنر" کے ذریعے جو جماعت کی ایک انتظامی مجلس ہے ذمہ داریوں کا احساس اور آپ اپنی مدد کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جاتا ہے

فنون اور دستکاریوں سے دلچسپی مہارتی تمغہ جات کے ذریعے لڑکوں میں فنون اور دستکاریوں کی تحصیل کا شوق پیدا کیا جاتا ہے اور ان کے فطری رجحانات کو جانچا جا کر ان کے مذاق کے موافق ان کے منتخبہ فنون کے اکتساب میں ان کی حوصلہ افزائی اور ضروری سہولت فراہم کی جاتی ہے تاکہ آگے چلکر وہ اپنے اس شوق اور فنی مہارت سے مالی فائدہ اٹھا سکیں۔

صحت جسمانی اسکاوٹنگ کی تعلیم کا زیادہ حصہ دلچسپ کھیلوں پر مشتمل ہے جو علاوہ تحصیل معلومات کے صحت جسمانی کے لئے بھی مفید ہیں۔ ورزشی کرتب، ڈرل اور کمپوں کا قیام بھی لڑکوں میں طاقت پیدا کرتا اور ان کے قوائے برداشت وجفاکشی کو ترقی دیتا ہے۔

خداداد قوتوں کی تربیت دماغ کی تربیت و تعلیم حیات جسمانی پر منحصر ہے۔ جب تک حواس کی موزوں تربیت نہ ہوگی دماغ کی عمدہ نشوونما غیر ممکن ہے۔ اسی حقیقت کے مدنظر اسکاوٹنگ کے سارے کھیل اور بیشتر مضامین ایسے ہیں جن میں پانچوں حواس کی تربیت اور شائستگی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ مثلاً پیغام رسانی بذریعہ اشارات، سراغرسانی بذریعہ آثار ونقوش وغیرہ۔

قومی خدمت کی تیاری اسکاوٹوں کا نصب العین "تیار باش" تجویز کیا گیا ہے۔ دوسروں کی خاطر کم از کم روزانہ ایک بھلائی کا کام کرنا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ اور اسکاوٹ اس کو بطور اپنے روزانہ فرض کے بجالاتا ہے۔ علاوہ اس کے متعدد ایسے فنون کی تعلیم جو مہارتی تمغہ جات کے لئے حاصل کرنی پڑتی ہے مثلاً اطفائے نار، فوری طبی امداد، جان بری، تیراکی وغیرہ اس کا تجربہ اسی میدان میں اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس طرح سے وہ آئندہ بڑی بڑی قومی خدمتوں کے بجالانے کا اہل ہوجاتا ہے۔

حب قومی اور وطن دوستی ملک و مالک کی وفاداری اور اطاعت وامداد اسکاوٹ کے فرائض ہیں۔ آصفی پرچم کی عزت اور توقیر کرنا، ملکی آزادی اور اقبال کا اس کو نمائندہ سمجھنا اس کے اہم

سے باخبر اور اس کے مستقبل کو شاندار بنانے کا ولولہ پیدا کرنا مثلاً حیدرآبادی اسکولوں کے روزانہ مشاغل کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ نیز ملک کے زائد از دو صد سالہ تاریخی واقعات کا علم فرسٹ کلاس اسکاوٹ کے معلومات کا ایک لازمی جز ہے تاکہ وہ ماضی کے آئینے میں حال کو دیکھے اور مستقبل کی فکر کرے۔ جس لڑکے کی تربیت خود اس معاہدے سے آغاز ہو کہ :-

"میں اپنی امکان بھر کوشش کروں گا کہ خدا
بادشاہ اور ملک کی طرف سے جو فرائض مجھ پر
عائد ہوں اس کو پورا کروں "اسکاوٹ لا" کی
پابندی کروں۔ ہر وقت دوسروں کی امداد
کرنے کے لئے مستعد رہوں اور اپنے جسم دماغ
اور اخلاق کو اچھی حالت میں رکھوں"

اور جس کے بیرون مدرسہ اوقات اس اعلا فضا میں بسر ہوں جہاں سینکڑوں مشاغل کے ذریعے سے کشمکش حیات میں کامیاب جدوجہد کے لئے "تیار باشی" کا عملی درس دیا جاتا ہے اگر وہ قومی سپاہی نہ بنے تو پھر اور کیا ہو سکتا ہے۔

(علی موسیٰ رضا مہاجر)

"تمہیں ماحول سے گھبرانے کی ضرورت نہیں لیکن انسان کن فیکون پر قادر نہیں تمہاری کوششیں تمہاری آئندہ نسلوں کو آزاد اور تمہیں زندۂ جاوید بنا دیں گی۔"

(پیامِ سالِ نو)

اسکاوٹ

میں ہندو بنوں گا مسلماں بنوں گا
صداقت کی لو شمعِ ایماں بنوں گا
تعصب کا میں دشمنِ جاں بنوں گا
میں اسکاوٹ ہوں مرد میداں بنوں گا
بہر حال میں کامل انساں بنوں گا

مجھے پاس ہر وقت عزت کا ہوگا
لحاظ اپنی قومی حمیت کا ہوگا
میرا طور سب سے شرافت کا ہوگا
سلوک اپنوں غیروں سے الفت کا ہوگا
بہر حال میں کامل انساں بنونگا

میں احکامِ خالق سے ڈرتا رہوں گا
اطاعت میں حاکم کی کرتا رہوں گا
خوش اخلاقیوں سے سنورتا رہوں گا
بھلی بات پر میں کان دھرتا رہوں گا

بہر حال میں کامل انساں بنوں گا

مشقت سے مجھ کو نہ کچھ عار ہو گا
نہ تن پروری سے سروکار ہو گا
ہر اک عضو محنت کو تیار ہو گا
نہ دل کام سے میرا بیزار ہو گا

بہر حال میں کامل انساں بنونگا

مصیبت پہ ہر وقت خرسند ہونگا
پریشانیوں کا نہ پابند ہونگا
تنا در، توانا، تنومند ہوں گا
عدو کے لئے کوہ الوند بنونگا

بہر حال میں کامل انساں بنوں گا

قسم مادرِ ہند پیارے وطن کی
قسم ہے مجھے اپنے ملک دکن کی
قسم مجھ کو ماں باپ کے تن بدن کی
قسم اپنے سچے بچن اور چلن کی

کہ ہر طرح میں کامل انساں بنوں گا

(گمنام)

اسکاوٹنگ اسلامی ادبیات عالیہ میں

زیر نگرانی پروفیسر مولانا عبدالقدیر صاحب

بقول کسی کے زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے سوائے ہمارے کوئی چیز نئی نہیں۔ وہی چیز جسے عرب مروت (مردانگی) کہتے تھے، وہی چیز جسے جاہلیت یورپ میں شیولری (شہامت) کہتے تھے، وہی چیز جو ہند میں بھی رہی روم میں بھی رہی غرض جہاں کہیں مجموعۂ اضداد انسان رہا رہی —— وہی چیز اسکاوٹنگ کے جنم میں ہمیں پھر نظر آرہی ہے جسے اکثر اسلامی ممالک میں کشافہ کہتے ہیں، جسے ایران میں پیش آہنگی بھی کہتے ہیں۔ اس کی مثالیں بزرگانِ قوم کے حالات تاریخی سے پیش کرنا ایک اتاہ سمندر میں غوطہ لگانا ہے، یہ کافی معلوم ہوتا ہے کہ اسکاوٹنگ کا جو جدید مفہوم ہے اس کے متعلق مذہبی ادبیات عالیہ سے موازنہ کر دیکھیں۔ یہ اس قسم کی غالباً پہلی کوشش ہے ممکن ہے نقش ثانی بہتر ہو سکے اور عیسائی و ہندو ادبیات کا مواد بھی مکمل ہو جائے۔

اسکاوٹ کا عہد (۱) میں اپنی عزت اور بچپن کا واسطہ دیکر عہد کرتا ہوں کہ خدا / بادشاہ (حضور نظام) اور ملک کی جانب سے مجھ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں انہیں بجا لاؤں اور کشافی (اسکاوٹ کے) قوانین کی پابندی کروں۔

—— واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (قران مجید)

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے رسول (رشی) اور اپنے حکمران کی اطاعت کرو۔

—— ویفعلون ما یومرون (قران مجید)

ترجمہ:۔ "... اور وہ احکام بجالاتے ہیں"

—— قل ھو اللہ احد اللہ الصمد (قران مجید)

ترجمہ:۔ کہو اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔

(ب) دوسروں کی ہر وقت مدد کروں۔

—— تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (قران مجید)

ترجمہ:۔ نیکی اور پرہیزگاری میں امداد باہمی کرو لیکن گناہ اور سرکشی میں ساتھ نہ دو۔

—— ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (حدیث)

ترجمہ:۔ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

(ج) اپنے آپ کو تندرست، روشن دماغ اور نیک کردار رکھوں۔

—— ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (قران مجید)

ترجمہ:۔ خدا نے بیشک اس کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسکو علم و جسم کا زیادہ حصہ دیا ہے۔

— من یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا (قرآن مجید)

ترجمہ: جس کو علم و حکمت ملی تو گویا اسے بہت کچھ خوبی ملی۔

— ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی ھی احسن (قرآن مجید)

ترجمہ: نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ اچھے طریقے سے جواب دو۔

— خیارکم احاسنکم اخلاقا (حدیث)

ترجمہ: سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

اسکاوٹ کے بارہ قاعدے | (۱) اس کا بچن قابل اعتماد ہوتا ہے

— من اوفی بعھدہ واتقی فان اللہ یحب المتقین (قرآن مجید)

ترجمہ: جو شخص اپنے عہد کو پورا اور پرہیزگاری کرتا ہے تو خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

— لعنة اللہ علی الکاذبین (قرآن مجید)

ترجمہ: جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔

— وقولوا قولا سدیدا۔ (قرآن مجید)

ترجمہ: سیدھی سچی بات کرو۔

— عدة المومن کاخذ الکف (حدیث)

ترجمہ: ایمان دار کا وعدہ ہاتھ پکڑنے کے جیسا ہے

(۲) وہ وفادار ہوتا ہے۔

— یا ایھا الذین امنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم (قرآن مجید)

ترجمہ: اے ایمان والو خدا اور رسول سے اور نہ آپس میں خیانت نہ کرو۔

(۳) وہ ہر کسی کو مدد دیتا ہے

— واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه (حدیث)

وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی (قرآن مجید) ترجمہ: خدا فحش اور بری باتوں اور بغاوت سے روکتا ہے

ترجمہ:۔ جو شخص اپنے بھائی کی مدد کر رہا ہو خدا بھی اس وقت اس کی مدد پر ہوتا ہے۔
(قرآن مجید کی آیت اوپر آچکی ہے)

(۴) وہ سب کا دوست اور دیگر اسکاؤٹوں کا بھائی ہوتا ہے

——— واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔

——— من لا یرحم لا یُرحم (حدیث)

ترجمہ:۔ جو رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

——— انما المومنون اخوة (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ سب ایمان والے بھائی ہیں۔

(۵) وہ خوش اخلاق ہوتا ہے۔

——— ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ اگر تم بدگو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارا ساتھ نہ دیتے۔

——— واخفض جناحک للمومنین (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ مومنوں کے ساتھ نرمی اور اخلاق سے پیش آؤ۔

——— لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (حدیث)

ترجمہ:۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو چھوٹے پر رحم اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔

(۶) وہ جانوروں پر مہربان ہوتا ہے۔

——— والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ خدا نے جانور تمہارے لئے پیدا کئے ہیں ان میں فائدے اور منفعت ہیں۔

ـــــ ان رحمتها فقد رحمک الله (حدیث)

ترجمہ:۔ اگر تو اس (جانور) پر رحم کریگا تو خدا بھی تجھ پر رحم کرے گا۔

ـــــ اتقوا الله فی هذہ البهائم المعجماة (حدیث)

ترجمہ:۔ ان بے زبان جانوروں کے سلوک میں خدا سے ڈرو۔

ـــــ قتل الموذی قبل الایذاء (حدیث)

ترجمہ:۔ موذی کو اذیت دینے سے پہلے قتل کرو۔

(۷) وہ مطیع ہوتا ہے۔

ـــــ واطیعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم الایہ (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔

(۸) وہ مسکراتا اور ہشاش بشاش رہتا ہے۔

ـــــ ولا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ جو چیز جا چکی اور جو چیز تمہیں پہنچ چکی اس پر رنج نہ کرو۔

ـــــ وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجه طلق (حدیث)

ترجمہ:۔ یہ بھی ایک نیک کام ہے کہ اپنے بھائی سے مسکرا کر ملو۔

(۹) وہ کفایت شعار ہوتا ہے۔

ـــــ ولا تسرفوا ان الله لا یحب المسرفین (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ اسراف نہ کرو، خدا مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

ـــــ ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ نہ بخل کرو اور نہ فضول خرچی ورنہ ملامت سنو گے اور حسرت و افسوس کرتے بیٹھو گے۔

(۱۰) وہ بہادر ہوتا ہے۔

——— ولا تخف انک انت الاعلی۔ (قران مجید)

ترجمہ: نہ ڈر تو ہی سر بلند ہے۔

——— ان اللہ یحب الشجاع (حدیث؟)

ترجمہ خدا بہادر کو دوست رکھتا ہے۔

——— ویخشونہ ولا یخشون احد الا اللہ (قران مجید)

ترجمہ وہ صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

(۱۱) وہ پاک صاف رہتا ہے

——— فاطہروا ان اللہ یحب المطہرین (قران مجید)

ترجمہ: خوب پاک صاف رہو خدا ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

——— الطہور شطر الایمان (حدیث)

ترجمہ: طہارت (صفائی) آدھا ایمان ہے۔

——— ولا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا وما بطن (قران مجید)

ترجمہ کھلی یا چھپی کسی بھی بےحیائی اور بری باتوں کے پاس نہ پھٹکو۔

(۱۲) وہ مذہب شناش اور روادار ہوتا ہے۔

——— والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ہم یوقنون

اولئک علی ہدی من ربہم واولئک ہم المفلحون (قران مجید)

ترجمہ: جو لوگ اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو آپ سے پہلے آئی اور قیامت پر بھی یقین کرتے ہیں تو یہی لوگ ہدایت یاب ہیں اور انہیں لوگوں کی فلاح و بہبودی ہوگی۔

——— اولئک الذین کتب فی قلوبہم الایمان (قران مجید)

ترجمہ: خدا نے ان کے دلوں میں ایمان بھر دیا ہے۔

اسکاوٹ کے تین مطمح نظر امور | (۱) تیار باش

—— واعدوالہم ما استطعتم من قوۃ الایہ (قران مجید)

ان (دشمنوں) کے مقابلے کے لیے جہاں تک ممکن ہو قوت مہیا کرو۔

(۲) ہنستے رہو

اس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

(۳) روزانہ کم سے کم ایک نیکی کرو۔

—— فاستبقوا الخیرات (قران مجید)

ترجمہ: نیک کام کرنے میں سبقت لیجاؤ۔

—— وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون (قران مجید)

نیک کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

—— یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات

واولئک من الصالحین (قران مجید)

ترجمہ: اچھی بات کا حکم دیتے ہیں، بری بات سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں، یہی لوگ نکوکار ہیں۔

تنظیم | اسکاوٹوں کی ہر جماعت (ٹروپ) میں زیادہ سے زیادہ بتیس آدمی ہوتے ہیں جو چار ذیلی جماعتوں یا قراولوں (پٹرول) میں بانٹ دیے جاتے ہیں۔ جماعتوں اور ذیلی جماعتوں کے نام بھی ہوتے ہیں اس سلسلے میں:۔

—— وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا (قران مجید)

ترجمہ: ہم نے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم پہچانے جاؤ۔

سلام | اسکاوٹ جب اپنے افسر سے یا ساتھی سے ملتے یا رخصت ہوتے ہیں تو سلام کرتے ہیں

— تحیتہم فیہا سلام (قران مجید)

ترجمہ: وہاں ان کا تحیہ (ملاقات کے وقت کی گفتگو) سلام ہے۔

— السلام قبل الکلام (حدیث)

ترجمہ: (ملنے کے بعد) بات کرنے سے پہلے سلام کرو۔

انتظام | اسکاوٹوں کے تمام کاروبار کا نظم ونسق جھگڑوں کا فیصلہ وغیرہ انکے معلم اور ذیلی جماعتوں کے افسروں کی کمیٹی میں مشوروں سے ہوتا ہے۔

— وامرہم شوری بینہم (قران مجید)

ترجمہ: ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

— وشاورہم فی الامر (قران مجید)

ترجمہ: ان سے معاملات کے متعلق مشورہ کر۔

— وأتمروا بینکم بمعروف (قران مجید)

ترجمہ: آپس میں خلوص اور عمدگی و نیک نیتی سے مشورہ کرو۔

سفر وسیاحت | اسکاوٹ وقت بوقت سفر وسیاحت کرتے اور خود اعتمادی کی عملی تربیت پاتے ہیں۔

— سیروا فی الارض (قران مجید)

ترجمہ: دنیا کی سیر وسیاحت کرو۔

— السفر وسیلۃ الظفر (حدیث؟)

ترجمہ: سفر وسیلہ ظفر وکامرانی ہے۔

اسکاوٹوں کا مقصد | گزشتہ تذکرے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ مسلمانوں کا مقصد وفریضہ مذہبًا یہ قرار دیا گیا ہے کہ:-

— لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا (قران مجید)

ترجمہ:۔۔۔ تاکہ خدا ہی کا بول بالا ہو۔

ـــــ لعلکم تتقون (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ تاکہ تم پرہیزگار رہو

رسالہ تحریر لکھیں اور اس مجموعہ مضامین میں ذکر ہو چکا ہے کہ ہم ایک رسالہ شائع کرتے ہیں۔

ـــــ علّم بالقلم علّم الانسان مالم یعلم (قرآن مجید)

ترجمہ: خدا نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔

ـــــ علمتم مالم تعلموا انتم ولا آبائکم (قرآن مجید)

ترجمہ: تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جنہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے آباؤاجداد۔

(تعلیق) یہ مقالہ مولانا عبدالقدیر صاحب کے زیر نگرانی مرتب کیا گیا

Our Anthem.

God save our gracious Nizam,
Up hold his gentle sway.

Make him for all his subjects
The guide, the shield, the stay.

May peace abide and wisdom guide
Our Ruler ever more.

God guide and guard our Nizam,
And on him blessings pour.

ہم اور ہمارا ٹروپ

{ مسٹر یوسف الدین احمد صاحب بی اے (عثمانیہ) }

سنہ ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۳ء کے وسط میں سرکار عالی نے دفتر بائے اسکاوٹ قائم کیا اور مولوی یوسف خاں صاحب مرحوم اس کے ناظم مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی حیدرآباد کی پہلی روور اسکاوٹ جماعت بھی قائم ہوئی۔ اسی جماعت کے ایک رکن سید عابد حسین صاحب (جو اس وقت طبی ڈاکٹر ہو چکے ہیں) دفتر کا کام بحیثیت اعزازی معتمد کے انجام دیتے رہے اور وارناسی صاحب (حال دوم مددگار ناظم) ان کے کام کی نگرانی کرتے رہے۔ دو سال کے بعد مدراس کے مسٹر کامتھ کی تنظیم جدید میں علی موسیٰ رضا صاحب مہاجر بحیثیت مددگار ہیڈ کوارٹر پر جب تشریف لائے تو انہوں نے ہمارے ٹروپ کی نگرانی بحیثیت اسکاوٹ ماسٹر اپنے ذمے لے لی۔ یہ انہیں کی دلچسپی تھی کہ اب تک یہ جماعت بفضل خدا ترقی کناں ہے اسی جماعت نے روور اسکاوٹ درجہ دوم کا نشان حاصل کیا۔ یوم کشافہ کے موقع پر اس نے ولی الدولہ بہادر صدر اعظم کی موجودگی میں بانسوں کا نہایت اونچا منارہ پانچ منٹ میں بنانے کا مظاہرہ کیا۔ اسی سال سالگرہ خسروی کے اجتماع کے موقع پر علاوہ اور مظاہرات کے اس جماعت کے بعض ممبروں نے اپنی ایجاد و مرتب کردہ اردو جھنڈی بولی کا مہاراجہ کشن پرشاد صدر اعظم کے روبرو مظاہرہ کیا۔ سنہ ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء میں اس جماعت نے درجہ اول کے روور اسکاوٹ بننے کا فخر

حاصل کیا اور شاہزادہ ولی عہد بہادر کی موجودگی میں سالانہ اجتماع کے موقع پر اردو تار برقی کا مظاہرہ کیا جس کے کوڈ کی ایجاد اور تار و برق کی سربراہی خود اسی کے ممبروں نے کی تھی۔

۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء میں اس جماعت نے اسکاوٹنگ کا آخری امتحان دے کر شاہی کشاف بننے کی عزت حاصل کر لی گو ابھی انہیں شاہی اسکاوٹ کا تمغہ پہننے کی عزت حاصل نہیں ہوئی جس کا نمونہ ابھی زیر غور مجلس انتظامی ہے۔ علاوہ اس کے اس جماعت کے ارکین نے ستر سے زیادہ مہارتی تمغے حاصل کر لئے جن میں سے مشترک فنون یہ ہیں :—

(۱) ابتدائی طبی امداد (۲) راہ شناسی (۳) سیکل سواری (۴) طباخی (۵) بہ مدد یا بلامدد انجن آگ بجھانا (۶) کیمپنگ (۷) حفظان صحت (۸) مصوری (۹) دل بہلائی (۱۰) تیراکی (۱۱) اور جھنڈی بولی (مارس وسیما فور)

اس جماعت نے ۱۹۲۶ء میں انگریزی جھنڈی بولی کے عام مقابلے میں دوم آکر سرج لاٹ انعام حاصل کی ۱۹۲۸ء میں نکونی رسہ کشی کا انعام ملا۔ اور ابتدائی طبی امداد کے مقابلے میں اول ہونے کی وجہ سے ایک کپ بطور انعام دیا گیا۔ اور ۱۳۴۷ھ میں سال بھر میں سب سے زیادہ اسکاوٹنگ میں دلچسپی سے حصہ لینے کا انعام ملا جو ایک جھنڈے کی صورت میں پیش کیا جانے والا ہے اس جماعت کا مطمح نظر "خیر الناس من ینفع الناس" ہے جو اس کے جماعتی جھنڈے پر بھی مکتوب ہے۔ یہ جماعت کوئی ڈیڑھ سال سے الکشافہ نامی ایک قلمی ماہوار رسالہ شائع کر رہی ہے جو کشافی ادبیات پیش کرتا ہے

اس جماعت میں اکثر کالج کے طلباء اور بعض طیلسانی بھی شریک ہیں جس سے اس تحریک کی اہمیت اور دلکشی کا ثبوت ملتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تعلیم میں سد راہ نہیں بلکہ ایک طرح سے باعث امداد ہے۔ فقط